وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

ربیع الاول ۔ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ ۔ کے، ماڈل ٹاؤن ۔ لاہور
(فون: 852683 - 852611)

چندہ سالانہ -/۲۰ ____________ قیمت فی شمارہ -/۴

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰	ربیع الاول ۔ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ	عدد ۱-۲

مشمولات

		صفحہ
✱ عرض احوال	جمیل الرحمان	۱
✱ پندرھویں صدی ہجری کا آغاز	ڈاکٹر اسرار احمد	۷
✱ علماء کنوینشن	,, ,, ,,	۳۹
✱ اسلام اور حقوق اطفال	مولانا غازی عزیز	۶۸
✱ عشری اور خراجی اراضی	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	۸۰
✱ تعارف الکتاب	ڈاکٹر اسرار احمد	۸۳
✱ خطوط و آرا	مراسلہ نگار صاحبان	۹۹

پبلشر: ڈاکٹر اسرار احمد ✱ طابع : چوھدری رشید احمد
مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میثاق کا ماہ ربیع الاوّل اور ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری و فروری ۱۹۸۱ء کا مشترکہ شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی ناگزیر اسباب کی بنا پر ہم دو ماہ کا مشترکہ پرچہ ہی پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ ہماری کوشش جاری ہے کہ آئندہ ماہ سے ہر مہینے کا پرچہ بروقت شائع ہو سکے۔ کوشش ہماری ہوگی اس کا بار آور ہونا مشیّت الٰہی کے تابع ہوگا۔ اس کوشش میں کامیابی کے لئے قارئین کرام سے دُعا کی درخواست ہے۔

امریکہ اور کینیڈا کے دوسرے دعوتی دورے سے مراجعت کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۲۴ر اکتوبر کو مسجد شہداء لاہور میں اس دورے کے مشاہدات و تاثرات بیان فرمائے تھے۔ ساتھ ہی "پندرھویں صدی ہجری کا آغاز۔ اُمّتِ مسلمہ کے لئے توقعات و خطرات" کے موضوع پر بھی اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ یہ تقریر دو گھنٹے کے لگ بھگ جاری رہی تھی۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب اعزازی ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن کی ہمت کہ انہوں نے لفظ بلفظ اس تقریر کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر لیا تھا۔ چنانچہ اس میں سے مکررات کو حذف کر کے اس کو تحریر کا انداز دینے اور اسے مربوط کرنے کی راقم نے کوشش کی ہے جس کا حاصل اگلے صفحات پر قارئین کرام کی نظر سے گزرے گا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی نظر سے یہ تحریر نہیں گزری اس لئے اس میں اگر کوئی خامی اور خطا نظر آئے تو اس کی ذمہ داری راقم کے کاندھوں پر ہوگی ــــ یہی صورتِ حال اس خطاب کی ہے جو ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو علماء کنونشن منعقدہ ۲۱ ــ ۲۲ر اگست ۸۰ کے بارے میں درس کے بعد جمعہ کے روز ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسجد شہداء میں کیا تھا۔

بھارت کے جنوبی حصّہ کے مشہور شہر مدراس میں پچاس ساٹھ سال سے ایک ادارہ قائم

ہے جو ہر سال ایک کانفرنس منعقد کرتا ہے جس میں مختلف دینی و علمی موضوعات پر خطاب کرنے کے لئے نامور علمائے کرام اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی ہے ۔ اسی شہر مدراس میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے مشہورِ عالم چھ لیکچرز (Reconstruction of Relegious Thoughts in Islam) کے موضوع پر دیئے تھے جو مطبوعہ شکل میں موجود ہیں ۔ اسی ادارے کی ایک کانفرنس میں علامہ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی سیرت مطہرہ پر چھ لیکچرز دیئے تھے جو ”خطباتِ مدراس“ کے نام سے مطبوعہ شکل میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر انتہائی بیش قیمت خزینہ کے طور موجود ہیں ۔ برصغیر پاک و ہند کے کئی نامور علماء کرام اور مفکرین بھی اس انجمن کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنسوں کو وقتاً فوقتاً خطاب فرماتے رہے ہیں ۔ امسال اسی انجمن کی طرف سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سیرتِ مطہرہ پر چھ لیکچرز دینے کی دعوت ملی تھی ۔ چنانچہ ۹ جنوری ۱۹۸۱ء کی شب کو مدراس کے لئے ڈاکٹر صاحب عازمِ سفر ہوگئے ۔ جہاں سے ۲۶، ۲۷ ماہ حال کو مراجعت متوقع ہے ۔ علامہ ڈاکٹر اقبال اور علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی شخصیت کا کیا ٹھکانا! ڈاکٹر صاحب کو ان سے کیا نسبت! یہ ڈاکٹر صاحب کی خوش بختی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ ان کا نام بھی ان بزرگ ہستیوں کے نام کے ساتھ شامل ہوگیا ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

ہجری ۱۳۹۸ کے رمضان المبارک میں ٹی وی پر ڈاکٹر صاحب کا روزانہ ایک پروگرام ”الکتاب“ کے نام سے نشر ہوا تھا ۔ جس میں موصوف نے روزانہ نہایت اختصار کے ساتھ دس بارہ منٹ میں قرآن مجید کے ایک پارے کا تعارف کرایا تھا ۔ یہی پروگرام رمضان ۱۳۹۹ھ میں قندِ مکرر کے طور پر روزانہ نشر کیا گیا ۔ رمضان ۱۴۰۰ھ میں ”الٓمٓ“ کے عنوان سے ہر روز ڈاکٹر صاحب نے اختصار کے ساتھ ان انتیس ۲۹ سورتوں کا تعارف پیش کیا تھا جن کا قرآن مجید میں حروفِ مقطعات سے آغاز ہوتا ہے ۔ ٹی وی کے اربابِ حل و عقد کا بیان ہے کہ یہ دونوں پروگرام ٹی وی کے ناظرین میں بے حد مقبول ہوئے اور ان کی تحسین و تعریف میں بے شمار خطوط موصول ہوئے ۔ ٹی وی کے ادارے نے ”الکتاب“ کی تقاریر کو ٹیپ سے منتقل کر کے اسی نام سے نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب کتاب کی

شکل میں شائع کر دیا ہے ۔ ان تقاریر میں سے پانچ پاروں تک کا حصہ "تعارف الکتاب" کے عنوان سے اس شمارے میں ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے ان شاء اللہ بقیہ حصے قسط وار آئندہ شماروں کی زینت بنیں گے ۔

ٹی وی کا ذکر آیا تو قارئین میثاق کو یہ اطلاع دینا بھی مناسب معلوم ہوا کہ امسال ٹی وی پر یکم ربیع الاوّل سے ۱۲ ربیع الاوّل تک سیرتِ مطہرہ پر "رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم" عنوان سے روزانہ اردو خبروں کے فوراً بعد ڈاکٹر صاحب کی پندرہ منٹ کی تقاریر نشر ہوئی ہیں ۔ توقع ہے کہ اکثر قارئین میثاق نے یہ پروگرام دیکھے اور سنا ہوگا یہ پروگرام ڈاکٹر صاحب مدراس جانے سے قبل ریکارڈ کرا گئے تھے ۔ یہ اطلاع بھی یقیناً ہمارے قارئین کرام کے لئے باعث مسرت ہوگی کہ ٹی وی کے ارباب حل وعقد سے اس مسئلہ پر خط و کتابت ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مرتب کردہ قرآنی منتخب نصاب کے دروس ۴۰ یا ۵۰ منٹ کے پروگرام کی صورت میں ہفتہ میں ایک بار یا ۱۵ ــ ۲۰ منٹ کی صورت میں روزانہ نشر ہوں ۔ ذرائع ابلاغ میں ٹی وی کو ایک بہت اہم مقام حاصل ہے ۔ اس کو قوم کی فکری و ذہنی اور اخلاقی تربیت اور غلط افکار کی تطہیر کے لئے استعمال کرنا ٹی وی کے ارباب اختیار کا دینی اور قومی فریضہ ہے ۔ اگر یہ خط و کتابت نتیجہ خیز ہوئی تو توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز اس مؤثر ترین ذریعہ ابلاغ سے دعوتِ قرآنی کی تبلیغ و نشر کا سلسلہ اپریل ۸۱ سے شروع ہو سکے گا ۔

کوشش ہوتی ہے کہ وقفے وقفے سے مرکزی انجمن خدام القرآن یا تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن تربیت گاہیں منعقد ہوتی رہیں اس سلسلہ میں اب تک کراچی میں چار لاہور میں چار نیز کوئٹہ اور راولپنڈی میں ایک ایک ۔ یعنی کل ۱۰ قرآنی تربیت گاہوں کا انعقاد ہو چکا ہے ۔ حال ہی میں ۲۵ دسمبر سے یکم جنوری ۱۹۸۱ء تک گیارہویں ہشت روزہ تربیت گاہ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوئی جس میں لاہور اور دیگر شہروں سے تقریباً ۸۰ حضرات نے تربیت گاہ کے تمام پروگراموں میں حصہ لیا ۔ اسی کے دوران چھ دن تک روزانہ بعد نماز مغرب سورہ الشوریٰ کا درس بھی ہوا ۔ جس میں باہر سے بھی متعدد حضرات و خواتین نے شرکت کی ۔ اس درس میں

حاضری ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہوتی تھی — الشوریٰ کے اس درس کا ڈاکٹر صاحب کے بہترین دروس میں شمار کیا جا سکتا ہے اس درس کے کیسٹ تیار ہوگئے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ الحمدللہ یہ تربیت گاہ انتظامات، پروگرام اور افادیت کے لحاظ سے سابقہ تربیت گاہوں سے کافی بہتر تھی — اس میں درس قرآن کے علاوہ، درس حدیث بھی پابندی سے ہوا۔ اور دعوتی لٹریچر کا اجتماعی مطالعہ بھی ہوا۔ جس کی موقع بموقع وضاحت وتصریح ڈاکٹر صاحب فرماتے رہے — مزید براں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی روشنی کن ذرائع سے پہنچی اور اسلام کو کن مراحل سے سابقہ پیش آتا رہا — اغیار نے اس کو برصغیر سے دربدر کرنے اور اس کی صورت مسخ کرنے کی کیا کیا ناپاک کوششیں کیں اور ان کو ناکام بنانے کے لئے امت کے علمائے عظام نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے اور کیا کیا قربانیاں پیش کیں — حضرت سید احمد مجدد الف ثانیؒ نے تجدید و احیائے اسلام کا کیا کام شروع کیا تھا اور مولانا عبدالحق محدث دھلویؒ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے بالترتیب اسلام کا رشتہ حدیث اور قرآن مجید کے ساتھ قائم کرنے کے سلسلہ میں کیا کیا مجددانہ مساعی کی تھیں اور ان حضرات کی کوششوں سے تجدید دین اور احیائے اسلام کا عمل مختلف مدارج سے گزرتا ہوا فی الوقت کس مرحلہ میں ہے۔ مزید برآں یہ کہ دیگر مسلم ممالک میں احیائی عمل کن کن مراحل سے گذر کر آج کہاں تک پہنچا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے بڑی تفصیل اور جامعیت کے ساتھ ان موضوعات پر تفہیم و تعلیم کا کام انجام دیا۔ الغرض راقم کی رائے میں تربیت گاہ دعوتی کام کے لحاظ سے بڑی افادیت کی حامل تھی۔

لوگوں کا اصرار تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مسلسل درس قرآن کے کیسٹ ساتھ ساتھ تیار ہوتے رہیں۔ چنانچہ موصوف نے دو ماہ قبل قرآن اکیڈمی میں ہفتہ میں چار دن کے لئے از سرِ نو قرآن حکیم کے مسلسل درس کا آغاز کیا ہے۔ ہر نشست میں درس نصف گھنٹے کا ہوتا ہے۔ بسم اللہ، سورہ فاتحہ کے دروس کے بعد سورہ بقرہ کے ابتدائی دو رکوعوں کا درس مکمل ہوگیا ہے۔ یہ مسلسل درس ۶۰ سی کے کیسٹوں پر ٹیپ کیا جا رہا ہے اور اس کے سیٹ بھی حسب ضرورت تیار کرائے جا رہے ہیں۔ ان کی قیمت تقریباً لاگت کے مطابق رکھی گئی ہے چونکہ ان کے پھیلانے کا اصل مقصود دعوت و حکمتِ قرآنی کی نشر و اشاعت ہے

یہ کیسٹ لاہور میں مرکزی انجمن سے اور کراچی میں انجمن کے سب آفس کمرہ نمبر ۱۴۱ اسی پلازا مولانا حسرت موہانی روڈ سے دستیاب ہو سکتے ہیں ۔

کیسٹوں کے ضمن میں یہ اطلاع بھی قارئین میثاق کے لئے موجب مسرت ہوگی کہ سورہ شوریٰ اور ڈاکٹر صاحب کے بعض مختلف دروس و خطابات کے کیسٹ بھی محدود تعداد میں تیار کرائے گئے ہیں ۔ تفصیلات اسی شمارہ میں قارئین کے سامنے آجائیں گی۔ مکمل منتخب قرآنی نصاب کے کیسٹ بھی ان شاء اللہ جلد دستیاب ہو جائیں گے ڈاکٹر صاحب اس کو ریکارڈ کرا چکے ہیں ۔ یہ کام فی الوقت تدوین کے مراحل سے گزر رہا ہے ۔ اس منتخب نصاب کے دروس کا سیٹ ۶۰ سی کے چالیس کیسٹوں میں مکمل ہوگا ۔

ڈاکٹر صاحب نے ۲۸ ر نومبر ۸۰ء کو نماز جمعہ کے موقع پر محترم صدر پاکستان کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جن امور کی طرف موصوف کی توجہ مبذول کرائی تھی جو گذشتہ شمارے میں شائع ہو چکے ہیں ۔ ان کی تائید میں میثاق کے قارئین کی جانب سے متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں ۔ جو حضرات اس جمعہ میں شریک تھے ان کی جانب سے بھی ان امور کی زبانی پُر زور تائید ہوئی ہے ۔ ایک صاحب نے اپنے مراسلے میں اسی بہت ہی ضروری امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کرکٹ کا کھیل جمعہ کے دن جاری رہنے سے بے شمار لوگوں کی نماز جمعہ فوت ہوتی ہے ہم اس سے اتفاق کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اگر فی الحال اس کھیل کو ختم نہیں کیا جا سکتا تو یہ احتیاط ملحوظ رکھنی تو لازمی و ضروری ہے کہ جمعہ کا دن اس میں شامل نہ کیا جائے ۔ مزید براں اگر اس کھیل کو ٹی وی پر دکھانے اور کمنٹری ریڈیو پر نشر کرنے کا سلسلہ بھی بند کر دیا جائے تو اس کی بدولت قومی سطح پر وقت کا زیاں ہوتا ہے ۔ اس میں بڑی حد تک کمی واقع ہو سکتی ہے — ایک دوسرے مراسلہ نگار نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوتِ ولیمہ پر تعداد کی جو پابندی عائد ہے وہ نامناسب ہے لوگ دوسرے حیلوں سے یہ دعوت کرتے ہیں لہٰذا یہ پابندی عملاً غیر موثر ہے اس لئے اس کو ختم ہونا چاہیئے ۔ ہم اس کی پُر زور تائید کرتے ہیں — ولیمہ کی دعوت مسنون ہے اور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعوت کرنے کی تاکید کی ہے۔ احادیث اور فقہ کی کتب میں دعوتِ ولیمہ کے مستقل باب قائم ہیں جس سے اس کی دینی حیثیت اور مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ اُمید ہے ہمارے اربابِ حل و عقد اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے ۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے
سلسلہ وار درس قرآن کیسٹوں میں دستیاب ہیں

سیٹ نمبر	مضمون	تعداد کیسٹ	قیمت
〃 نمبر۱	آیت بسم اللہ و سورۃ فاتحہ	۴ کیسٹ ۶۰ - سی	۸۸/- روپے
〃 نمبر۲	سورۃ بقرہ پہلے دو رکوع	۸ کیسٹ ۶۰ - سی	۱۷۶/- روپے

اس مسلسل درس کے کیسٹ کی تیاری کا کام ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے مختلف دروس کے حسب ذیل کیسٹ بھی دستیاب ہیں۔

سیٹ نمبر	مضمون	تعداد کیسٹ	قیمت
سیٹ نمبر۳	سورۃ مریم (مکمل)	۵ کیسٹ ۹۰ - سی	۱۵۰/- روپے
〃 نمبر۴	سورۃ حجرات (مکمل)	۳ کیسٹ ۹۰ - سی	۹۰/- روپے
〃 نمبر۵	سورۃ حج آخری رکوع	۲ کیسٹ ۹۰ - سی	۶۰/- روپے
خصوصی سیٹ نمبر۶	فلسفہ شہادت اور خلافت راشدہ کی شرعی و تاریخی حیثیت	۲ کیسٹ ۹۰ - سی	۸۲/- روپے
〃 〃 ۷	واقعہ کربلا کا پس منظر (۲ کیسٹ)	۱ کیسٹ ۹۰ - سی ۶۰ - سی	۴۴/- 〃
سیٹ نمبر۸	خصوصی درس سورۃ شوریٰ (مکمل)	۷ کیسٹ ۹۰ - سی	۲۰۰/- روپے
	"پاکستان اور اس کے دفاع کی اصل اساس" تقریر بمقام قرآن اکیڈمی ۲۵ دسمبر ۸۰ء	۲ کیسٹ ۶۰ - سی	۵۲/- روپے

پارسل خرچ اور محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔ لاہور میں ہر جمعہ کو مسجد شہداء میں درس اور مسجد دارالسلام میں نماز جمعہ کے بعد بھی مل سکتے ہیں۔

شعبۂ نشر و اشاعت انجمن خدام القرآن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرھویں صدی ہجری کا آغاز

امتِ مسلمہ کے لئے توقعات و خطرات

اور

شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۲۲/۲۳ اگست ۸۰ء کی درمیانی شب کو کراچی سے شمالی امریکہ کے دوسرے دعوتی دورے کے لئے عازم سفر ہوئے تھے اور ۱۶ اکتوبر ۸۰ء کو وطن مراجعت ہوئی تھی جس کے بعد ۲۴ اکتوبر ۸۰ء کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسجد شہداء لاہور میں مندرجہ بالا موضوعات پر خطاب فرمایا تھا جس کو ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرکے قارئینِ میثاق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے (مرتب)

خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:-

حضرات! میری آج کی گفتگو کا عجیب پہلو یہ ہے کہ مجھے اعلان کے مطابق ایک ہی نشست میں دو موضوعات پر گفتگو کرنی ہے۔ ایک موضوع تو میرے شمالی امریکہ بشمول کینیڈا کے حالیہ دورے کے تاثرات و مشاہدات سے متعلق ہے اور دوسرا پندرھویں صدی سے تعلق رکھتا ہے، جس کا آغاز ہو رہا ہے اور جس کو ہمارے ملک اور دوسرے ممالک میں بھی سرکاری سطح پر منایا جا رہا ہے اور اس کے استقبال

کے لئے کافی پہلے سے مختلف الانواع تقاریب منعقد ہو رہی ہیں ۔ اس موضوع پر گفتگو کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ عوام الناس ہی میں نہیں بلکہ ہمارے خواص کے بھی قابلِ ذکر حصّے میں چودھویں اور پندرھویں صدی کے متعلق عجیب وغریب باتیں پھیلی ہوئی ہیں ۔ یہ باتیں کچھ تو ہمارے ان بعض واعظین کے باعث پھیلی ہیں جن کا مبلغِ علم صرف سنی سنائی باتیں اور سینہ بہ سینہ حاصل ہونے والی معلومات ہوتا ہے اور اس میں کافی دخل عوام الناس کی لاعلمی اور اس بات کا بھی ہے کہ ایسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں میں اپنی طرف سے اضافہ بھی کرتے رہتے ہیں اور اس طرح بات کا بتنگڑ بن جایا کرتا ہے ۔

اس موضوع پر کہ امتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چودہ سو سال میں عروج و زوال کے مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی کہاں سے کہاں پہنچی ہے اور فی الحال ہم کسی مقام پر کھڑے ہیں اور فی الوقت کس صورتِ حال سے دوچار ہیں میں پہلے بھی مفصل تقریریں کر چکا ہوں اور اُمتِ مسلمہ کے عروج و زوال کے ادوار کے متعلق میرے تجزیے اور میرے مطالعے کا حاصل تحریری شکل میں بھی آچکا ہے جو مطبوعہ شکل میں بھی موجود ہے[1] لیکن علم، مطالعہ اور مشاہدہ کی کوئی حد نہیں ہوتی ۔ اس ضمن میں بعض نئی باتیں حال ہی میں میرے سامنے آئی ہیں جن کو میں آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا ۔ ان نئی باتوں کی جانب ذہن منتقل ہونے کا سبب یہ حسنِ اتفاق ہوا کہ شمالی امریکہ (بشمول کینڈا) میں کافی عرصہ سے ایک اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن قائم ہے جس کا امریکہ کے مختلف شہروں میں ہر سال ایک کنونشن منعقد ہوتا ہے ۔ سالِ گذشتہ میں جب پہلی بار امریکہ گیا تھا تو ڈیلاس میں ان کے سالانہ کنونشن کا انعقاد ہو رہا تھا جس میں ایسوسی ایشن کی جانب سے مجھے مہمان و مقررِ خصوصی Chief Guest & Speaker کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا اور میں نے وہاں تقریر بھی کی تھی ۔ امسال میں جب دوسرے مرتبہ دعوتی دورے پر شمالی امریکہ گیا تو ان کا سالانہ کنونشن مشہور عالم آبشار نیاگرا کے سامنے نیاگرا سٹی میں منعقد ہونیوالا

---

[1] ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ مقالہ "سرافگندیم" نامی کتاب میں شامل ہے (مرتب)

تھا۔ جس میں شریک ہونے اور آخری اجلاس میں "پندرھویں صدی ہجری کے چیلنج، خطرات، اور توقعات" کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھنے کے لئے مجھے دعوت دی گئی تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق سے اس موضوع پر انگریزی میں ایک مقالہ لکھا[1]۔ جس کے دوران کچھ پہلو اور نکات ایسے ذہن میں آئے کہ میں نے چاہا کہ ان کو آپ کے سامنے بھی بیان کروں —— تو یہ دو موضوعات ہیں جن پر مجھے آج گفتگو کرنی ہے۔ مزید برآں مجھے چند مقدّمات بھی قائم کرنے ہوں گے جو ان دونوں موضوعات کی تمہید بنیں گے۔ گویا میری آج کی گفتگو کے اصلاً تین اجزا ہوں گے۔ اس کے لئے آپ ذہناً تیار رہیئے۔ البتہ میں آپ کو پیشگی آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تین موضوعات پر گفتگو کی وجہ سے باتیں گڈمڈ بھی ہوسکتی ہیں اور بے ربط بھی۔ ایک ہی موضوع پر اظہار خیال نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس میں گفتگو کی ڈور ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتی۔ لیکن بیک وقت جب تین موضوعات ذہن میں ہوں تو اس کا زیادہ احتمال ہوتا ہے کہ ربطِ کلام قائم نہ رہ سکے اگرچہ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز آپ محسوس کریں گے کہ اس بے ربطی میں بھی ایک ربط ہوگا۔ بقول جگرمراد آبادی کہ ؏ "ربطِ محکم اسی بے ربطیٔ تحریر میں ہے"۔ آج کی گفتگو میں بے ربطی کا احتمال اس وجہ سے بھی ہے کہ میں امریکہ سے واپسی کے بعد انجمن اور تنظیم کے معاملات کے ساتھ ساتھ بعض خاندانی مسائل میں بھی اتنا الجھا رہا کہ مجھے اپنے ذہن میں آج کی تقریر کے لئے نہ تو کوئی نقشہ اور خاکہ مرتب کرنے کا موقع مل سکا. اور نہ ہی نکات ضبط تحریر کرنے کا —— بہرحال اُمّت کے عروج وزوال اور اُمّت اس وقت جن تحدّیوں (challanges) سے دوچار ہے ان موضوعات پر میں قرآن و احادیث اور تاریخ کی روشنی میں مسلسل غور وفکر کرتا رہا ہوں اور اس غور وفکر کے نتائج میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ لیکن چونکہ میں آج کی تقریر کے لئے ذہن تیار نہیں کرسکا اور نہ نکات لکھ سکا اس لئے اندیشہ ہے کہ بات طویل بھی ہوجائے اور بے ربط بھی ——

بایں ہمہ میں آپ کے سامنے اس امید پر حاضر ہوگیا ہوں کہ میرے سننے والے مجھ سے

---

[1] یہ مقالہ پاکستان میں روزنامہ مسلم، اسلام آباد اور بھارت میں ہفت روزہ "RADIANCE" دہلی میں شائع ہوچکا ہے۔ (مرتب)

واقف ہیں اور میں ان سے واقف ہوں۔ کوئی حجاب اور اجنبیت درمیان میں حائل نہیں ہے میری گفتگو میں اگر بے ربطی ہوئی اور تشنگی رہی بھی تو ان شاء اللہ وہ خود اس میں ربط بھی تلاش کر لیں گے اور تشنگی بھی محسوس نہیں کریں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہوئے کہ وہ مجھے توفیق دے کہ میں اپنی بات اور خیالات آپ کے سامنے زیادہ احسن اور مرتب طریق پر پیش کر سکوں ان وضاحتوں کے بعد اب میں اپنی گفتگو ان موضوعات پر شروع کرتا ہوں جن پر اظہارِ خیال کے لئے آج کی یہ نشست منعقد کی گئی ہے۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللہ العلی العظیم۔

پندرھویں صدی کی آمد

کائنات کی تخلیق اور اس کے نظم و تدبیر کا ہمارے ایمان باللہ سے گہرا تعلق ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق یہ کائنات ایک اجل مسمیٰ کی طرف رواں دواں ہے۔ جس کو کسی صدی کی رخصت اور کسی صدی کی آمد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک امر واقعہ ہے کہ اس کائنات اور اس کرۂ ارض کے متعلق جس پر ہم بستے ہیں وہ بنیادی حقائق جو ایمان باللہ کے نتیجے میں ہمیں معلوم ہونے چاہئیں، ہمارے ذہنوں میں مستحضر نہیں رہتے پھر مغرب کے Metaphysical Science مابعدالطبیعات کے درآمد شدہ نظریات نے ہمارے تعلیم یافتہ ذہنوں کو اتنا قابو یا فتح کر لیا ہے کہ ایمان باللہ کے ذریعہ جو علم و عرفان حاصل ہوتا ہے وہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ لہٰذا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو دعوت دوں کہ آپ پہلے ان حقائق کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیں جو ایمان باللہ کا حاصل ہیں ——

ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ کائنات جس کی وسعتوں کا ایک دھندلا اندازہ کرنے سے بھی سائنس کی بے شمار ترقیات و ایجادات کے باوجود انسان تاحال قاصر ہے اور جس کے مقابلے میں ہمارا یہ کرۂ ارض ایک دھبہ بھی نہیں بنتا بلکہ پوری کائنات کی وسعت کے اعتبار سے اسے معدوم کے درجے میں بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، نہ ہمیشہ سے تھی نہ ہمیشہ رہے گی۔ یہ نہ خود بخود وجود میں آئی نہ ہی خود بخود رواں دواں ہے اور یہ کہ یہ کائنات حادث اور فانی ہے۔ صرف ایک ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ ہستی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ۔ صرف اس ذات سبحانہٗ عزّ و جلّ کو بقاء دوام ہے اور اس کی تمام مخلوقات کو فنا ہے۔ بفحوائے الفاظ قرآنی۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

وَّ یَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ۝ یہ ہے پہلی اصولی اور کائنات کی بات ——— دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید بار بار اور مختلف اسالیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ کائنات کی یہ تخلیق بالحق یعنی بامقصد ہے اور ایک وقت معین تک (اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی) کے لئے ہے۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اور کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی[1] ——— قرآن مجید باعادہ اس حقیقتِ کبریٰ کا اظہار کرتا ہے کہ کائنات کی یہ عریض و بسیط اور وسیع، بساط جو اللہ تعالیٰ نے بچھائی اور پھیلائی ہے ایک وقت آئے گا کہ وہ اس کو اس طرح لپیٹ لے گا جیسے ہم اپنے بستر گول کر لیتے ہیں۔ یا جیسے قدیم دور میں کتابیں اس طرح مجلد نہیں ہوتی تھیں جیسے فی زمانہ ہوتی ہیں بلکہ دستور یہ تھا کہ ایک کاغذ پر لکھا اور اس کے بعد اس کے نیچے دوسرے لکھے ہوئے کاغذ چسپاں کرتے چلے گئے پھر ان تمام کاغذوں کو رول (Roll) کی شکل میں لپیٹ لیا۔ اس طرح Scroles بنتے تھے۔ حسب ضرورت ان کو بچھا کر مطالعہ کیا جاتا اور پھر تہہ کر لیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں کائنات کے خاتمے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ۔ "ایک دن آئے گا جب ہم اس کائنات کو اس کی وسعتوں اور پہنائیوں اور اس کی بلندیوں اور پستیوں سمیت اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے تم کتابوں کے طوُمار کو لپیٹ لیا کرتے ہو"۔ قرآن مجید میں اس مقصد کی تفہیم کے لئے ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وَالۡاَرۡضُ جَمِیۡعًا قَبۡضَتُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطۡوِیّٰتٌۢ بِیَمِیۡنِهٖ ؕ "قیامت کے روز یہ زمین پوری کی پوری اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان (اور خلا و فضا کی سب بلندیاں) اس کے دستِ راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے"۔ ہمارے ایمانیات کی اصطلاح میں اس کیفیت و حالت اور اس دن کو قیامت کہا جاتا ہے۔ اچھی طرح جان

---

[1] سورۃ الدخان میں ایک دوسرے اسلوب سے فرمایا گیا: وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا لٰعِبِیۡنَ ۝ مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (آیات ۳۸ - ۳۹)

لیجئے کہ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے قیامت ! لیکن یہی حقیقت ذہن سے اوجھل اور شعور و ادراک سے دور ہے اس بات کو انسان کی زندگی کے انفرادی طرزِ عمل سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کون نہیں جانتا ۱۵۸۹۱۸۱۹۱۱ — کہ زندگی کی اٹل حقیقت موت ہے ۔ اس پر دنیا کے تمام انسان متفق ہیں۔ ہر نظریہ، خیال اور ہر بات میں اختلاف بھی ممکن ہے اور شک بھی ـــــ لیکن موت وہ حقیقت ہے، جس میں نہ اختلاف کی گنجائش ہے نہ شک کی ـــ بایں ہمہ "موت" ہی وہ چیز ہے جسے ہم اپنے شعور اور ذہن سے دور رکھتے ہیں ۔ اس کے شدنی ہونے کی حقیقت کے ادراک کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے ۔ جسے دیکھو وہ اس دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرتا ہے، جیسے اس کو دائمی طور پر یہاں رہنا ہے اِلّا ماشاء اللہ ۔ اسی میں عافیت نظر آتی ہے ۔ ورنہ یہاں کی ساری لذّتیں اور عیش و آرام اجیرن بن جائیں ۔ جیساکہ انسان کی اس کیفیت اور جہول کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر کہیں تمہیں معلوم ہو جائے تو تمہارے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ تک نہ آئے" ـــــ یعنی اس دنیا کی ساری لذتیں، ساری چہل پہل اور چمک دمک انسان کو ہیچ نظر آئے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ اگر موت کی حقیقت انسان کے فکر و نظر اور قلب و ذہن میں ایک شدنی اور بدیہی حقیقت کی طرح مستحضر رہے تو یہ دنیا اس کو قید خانہ معلوم ہو ـــــ اسی طرح اس کائنات کی سب سے بڑی اور شدنی حقیقت قیامت کا ظہور ہے ۔ جس کے بارے میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ "بُعِثْتُ اَنَا وَقِیَامَۃ کَھَاتَیْنِ" حضورؐ نے اپنے دست مبارک کی دو انگلیوں کو جوڑ کر اور اشارہ کر کے فرمایا کہ "میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں" یعنی حضورؐ کے بعد تو بس قیامت ہی آنے والی ہے اور حضورؐ کی بعثت قربِ قیامت کی ایک علامت ہے اسی حقیقت کی حضورؐ نے ان الفاظِ مبارکہ سے بھی تعلیم فرمائی کہ "اَنَا آخِرُ الرُّسُلِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ" میں آخری رسول ہوں اور تم آخری اُمّت ہو" یعنی اب نہ کوئی نبی و رسول مبعوث ہوگا اور نہ کوئی دوسری اُمّت بپا ہو گی ـــ اب قیامت قریب تر آ گئی ہے ۔ ـــــ نبی اکرمؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں جس درجے کا یقین پیدا فرمایا، اس کا

نقشۂ سیر کی کتب میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے۔" انہیں دہ صدی یا دو صدی پیچھے نظر نہیں آتی تھی کہ ابھی تو "یہ ہونا ہے" وہ "ہونا ہے ابھی قیامت کہاں! یا بقول حفیظ جالندھری کہ ع "ابھی تو میں جوان ہوں!" —— یعنی ابھی موت کے تصوّر کا کیا موقع! اس کو کیوں قریب آنے دیا جائے۔ قیامت کا خیال آنا تو بہت ہی دور کی بات ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ کا جو تصوّر تھا، ان کی دینی زندگی میں جو اصل رُوح تھی۔ ان کو جو فکر ہر وقت لاحق رہتا تھا، ان میں جو حرارت و جوش تھا اور ایثار و قربانی کا جو جذبہ ان کے رگ و پے میں موجزن تھا، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل ایمان، رسالت پر ایقان، قیامت پر یقینِ محکم اور محاسبۂ اُخروی کے خوف کا رہین منت تھا۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ قیامت کے اس طرح منتظر رہتے تھے کہ معمول کے خلاف تیز ہوا سے بھی قیامت کی آمد کے متعلق وہ فکرمند ہو جاتے تھے —— اس کے بالکل برعکس درحقیقت ہمارا حال یہ ہے کہ قیامت تو کجا ہم اپنی موت کے تصوّر کو بھی اپنے ذہن سے زیادہ سے زیادہ دور رکھتے ہیں۔ یہ ہے ہمارے دینی اخلاقی اور عملی لحاظ سے اضمحلال و زوال اور انحطاط کا اصل سبب! اسی حقیقت کے صحیح ادراک کے فقدان یا اس میں ضعف کے باعث آج پورے عالم اسلام میں ہمارا معاشرہ دینی و اخلاقی طور پر بے عملی اور بدعملی سے دوچار ہے۔

قیامت کے ضمن میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ اس کے وقوع کا قطعی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے چنانچہ سورہ لقمان کی آخری آیت ان الفاظ مبارکہ سے شروع ہوتی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ج۔" قیامت کی گھڑی (وقت) کا علم بلاشبہ صرف اللہ کے پاس ہے۔" —— اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو ہوتا تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا اور جبریل امین علیہ السلام کو ہوتا چنانچہ حدیث جبریلؑ میں جس کو احادیث کے ذخیرے میں وُہی اہمیت حاصل ہے جو قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کا مقام ہے۔ —— سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے اور حدیث جبرئیل کو امّ السنہ —— اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مسجد نبوی میں جب کہ نبی اکرمؐ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ رونق افروز تھے انسانی شکل میں حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور انہوں نے حضورؐ سے چار سوال کئے۔ (اُس وقت کسی کو علم نہیں تھا

کہ انسانی شکل میں آنے والے یہ صاحب جبریلؑ ہیں) اَخْبِرْنِی عَنِ الْاِسْلَامِ — اَخْبِرْنِی عَنِ الْاِیْمَانِ — اَخْبِرْنِی عَنِ الْاِحْسَانِ اور اَخْبِرْنِی عَنِ السَّاعَۃِ — نبی اکرمؐ نے پہلے تینوں سوالوں کے مفصل جوابات ارشاد فرمائے۔ چوتھے سوال کے جواب میں جو قیامت سے متعلق تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، یعنی جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ اس پوچھنے والے سے زیادہ واقف نہیں ہے! —— سورہ لقمان کی آخری آیت کے ابتدائی حصے سے حضورؐ کے اس ارشاد کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجاتا ہے کہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی گھڑی کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے آخر میں حضرت جبرئیل پوچھتے ہیں "اَخْبِرْنِی عَنْ اَمَارَاتِھَا۔ تو اس (ساعت) کی کچھ نشانیاں بتایئے'! جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ اَنْ تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّتَھَا وَاَنْ تَرَی الْحُفَاۃَ الْعُرَاۃَ الْعَالَۃَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ" اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے"۔

پہلی نشانی کہ جب لونڈی اپنی مالکہ کو جننے لگے' — تو یہ استعارہ ہے اس صورت واقعہ کے لئے کہ بیٹیاں جن کی سرشت میں ماؤں کی فرمانبرداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے، اتنی سرکش ہوجائیں گی کہ ماؤں کے ساتھ وہ سلوک کرنے لگیں گی جو مالکہ اپنی لونڈی کے ساتھ کرتی ہے۔ مائیں اپنی بیٹیوں کی نافرمانی سے ڈرنے لگیں گی اور اس خوف میں مبتلا رہنے لگیں گی کہ پتہ نہیں بیٹی منہ سے کسی وقت کیا بک دے اور کس قسم کی گستاخی سے پیش آئے۔ اولاد میں بیٹے کی نسبت بیٹی کمزور صنف ہے، وہ فطرتاً شرمیلی، باحیا اور ماں باپ کے سامنے کم گو ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کا یہ حال ہو گا کہ ماؤں کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے لگے گی اور اتنی جری ہو گی کہ ماں اس سے خوف کھانے لگے گی اور اس کا سلوک اپنی ماں کے ساتھ وہ ہو گا جو مالکہ کا اپنی لونڈی کے ساتھ ہوتا ہے تو بیٹوں کے اطوار اور ان کی نافرمانیوں کا کیا ٹھکانا ہو گا! اس کا بخوبی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہ صورتِ حال قربِ قیامت کی پہلی بڑی نشانی ہے۔ یہ حالات

اور یہ نقشہ ہمارے معاشرے میں اب نظر آنے لگے ہیں — آج سے چالیس پچاس سال قبل ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی لیکن آج جو صورتِ حال ہے اس کے لئے تصور کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بگاڑ اور فساد کا یہ نقشہ ہم چشم سر سے نظر آ رہا ہے — حضورؐ نے جو دوسری علامت بتائی تھی اس کا نقشہ بھی چشم سر سے نظر آ رہا ہے۔ خاص طور پر جن عرب ممالک میں تیل نکل آیا ہے وہاں یہ منظر ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال قبل ننگے بدن رہنے والے چرواہے، اور مفلس و قلاش لوگ آج دس دس بیس بیس بلکہ اس سے بھی بلند و بالا بلڈنگیں بنانے اور اس مقابلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہیں — یہ صورتِ حال قربِ قیامت کی دوسری بڑی علامت ہے — جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ اب ہم ان دونوں بڑی علامتوں کا چشم سر سے اپنے معاشرے میں مشاہدہ کر سکتے ہیں — جس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ قیامت دُور نہیں — اس موقع پر میرا ذہن جگر ہی کے ایک شعر کی طرف منتقل ہوا۔ کیا خوب کہا ہے۔

ارباب ستم کی خدمت میں اتنی ہی گذارش ہے میری
دنیا سے قیامت دُور سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

ہمیں اس دُنیا میں بھی مکافات و مجازاتِ عمل کا ایک درجے میں ظہور نظر آتا ہے۔ یہاں بھی کچھ معاملات کسی قدر چُکتے ہیں۔ بعض ظالموں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا قہر ٹوٹتا ہے۔ اس دنیا میں عبرت اور سبق آموزی کے لئے یہ ہوتا رہتا ہے اگر وہ بڑی قیامت دور بھی ہو جس میں کائنات کی یہ تمام بساط لپیٹ دی جائے گی اور نئے قوانینِ قدرت کے ساتھ عالم آخرت بپا ہو گا اور پوری نوع انسانی عدالتِ خداوندی میں محاسبہ کیلئے کھڑی ہو گی، تو بھی اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی قیامتیں واقع ہوتی رہتی ہیں تاکہ خوابِ غفلت میں سرشار بنی آدم کو تنبیہ ہو۔ احادیث شریفہ میں اُس النبا العظیم یعنی قیامت کی جو علامات بتائی گئی ہیں۔ ان کا مفاد یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ بنیں اور ہم چوکس و ہشیار رہیں۔ البتہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور کوئی مغالطہ لاحق ہو تو اس کو دور کر لیجئے کہ کسی صدی کا حساب لگا کر خواہ وہ چودھویں صدی ہو خواہ پندرھویں صدی، کوئی خبر نہ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے نہ احادیث شریفہ

ہیں ـــ علامات قیامت کے باب میں احادیث نبوّیہ میں غور وفکر کرنے سے البتہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا کا ڈرامہ اپنے ڈراپ سین یعنی اختتام سے زیادہ دور نہیں ہے - وہ جو کہا جاتا ہے کہ Stage being Set تو دنیا میں وہ نقشہ اور وہ حالات تیار ہوتے نظر آرہے ہیں، جن کی خبریں دی تھیں الصادق المصدوق جناب محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ـــ میں ان حالات کا جن سے اس کرّہ ارض کو فی الوقت سابقہ پیش آرہا ہے، ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آج کی اس گفتگو میں پیش کرنا چاہتا ہوں - مجھے اس ضمن میں مولانا حامد میاں صاحب مدظلّہ سے بہت مدد ملی ہے - مولانا موصوف نے اسی موضوع پر عیدالاضحیٰ کے موقع پر تقریر بھی کی تھی، پھر میری اس موضوع پر ان سے آج ہی تبادلہ خیالات بھی ہوا ہے اور اس گفتگو سے میری اپنی سوچ میں مزید پختگی آئی ہے -

قربِ قیامت کی علامات کے بارے میں احادیث نبویہ میں جو کیفیات بیان ہوئی ہیں، ان سے ذہن میں آنے والے واقعات وحالات کی ایک ترتیب اور تسلسل Sequance بنتا ہے - اس میں کسی صدی، کس سال، کسی وقت اور کسی مدّت کا تعین کوئی نہیں کر سکتا - کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعات کب رونما ہوں گے البتہ یہ قیاس ممکن ہے کہ یہ واقعات مختلف مراحل Phases میں رونما ہوں گے - ہر مرحلے میں کتنی مدّت صرف ہوگی، کتنا عرصہ لگے گا اس کا تعین بھی ممکن نہیں ـــ لیکن قربِ قیامت کے متعلق مختلف احادیثِ نبوّیہ کو جمع کر کے اور سامنے رکھ کر غور و تدبّر کیا جائے تو ایک اجمالی نقشہ اور خاکہ ذہن میں ضرور مرتب ہو جاتا ہے اور اس طرح جو نقشہ میرے ذہن میں مرتب ہوا ہے، وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے اس کا موقع نہیں کہ میں احادیث کا متن اور حوالے Text & References پیش کروں - اگر ضرورت ہوئی تو انشاءاللہ العزیز میں اس موضوع پر تفصیلی طور پر لکھوں گا - اس وقت جو کچھ میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس کو ایک ترتیب کے ساتھ ذہن نشین کرتے جائیے - اس لئے کہ یہ حصّہ آج کی گفتگو کی تمہید بھی ہوگا -

احادیث شریفہ سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وقوعِ قیامت کے قریب

کچھ جنگیں ہوں گی جن کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ایسی وسعت کی حامل ہوں گی جن کے سامنے سابقہ جنگوں کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ماند پڑ جائیں گی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی پہلی جنگ میں مسلمان اور عیسائی ایک تیسری طاقت کے خلاف متحد ہوں گے اس جنگ میں بے پناہ خونریزی ہوگی۔ اور نتیجتاً مسلمانوں اور عیسائیوں کی متحدہ قوت کو فتح و کامیابی حاصل ہوگی۔ یہ پہلا مرحلہ Phase ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے Phase کی طرف احادیث شریفہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اس فتح کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں میں سخت تفرقہ اور اختلافات پیدا ہوں گے عیسائی اس فتح کو اپنے مذہب، اپنے عقائد اور اپنی صلیب کی طرف منسوب کریں گے اور اس کو اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل بنائیں گے۔ چنانچہ اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا نتیجۃً یہ تفرقہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مسلح معرکہ آرائی اور ایک شدید جنگ کی صورت اختیار کر لے گا جس میں مسلمانوں کو زبردست ہزیمت اور نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ ترکی۔ لبنان، شام اور عراق مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے حتیٰ کہ عیسائی مسلمانوں کو شکست پر شکست دیتے اور دباتے ہوئے حجاز میں خیبر کے مقام تک پہنچ ـــ جائیں گے۔ میرا گمان ہے کہ اس جنگ میں یہودیوں کی تمام دلی ہمدردیاں اور عملی تعاون عیسائیوں کو حاصل ہوگا۔ ان کا سرمایہ، ان کی ٹیکنیکل مہارت، ان کے کارخانوں میں تیار ہونے والا مہیب و مہلک اسلحہ ان کے پراپیگنڈے کے ہتیار سب عیسائیوں کی پشت پر ہوں گے۔ احادیث کے مطابق اس مرحلہ پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ اسی موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ امام مہدیؑ کی اس شخصیت اور شیعوں کی مفروضہ و تصوراتی شخصیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ صرف لفظ اور نام کے اشتراک کے کوئی اور چیز مشترک نہیں ہے۔ وہ جس مہدی کے ماننے والے ہیں، وہ ان کے بارھویں امام ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق غائب ہو گئے اور کسی غار میں مقیم ہیں۔ پھر وہی ظاہر ہوں گے اور وہی امام غائب، امام ظاہر ہوں گے۔ اس ضمن میں شیعوں میں بھی عقائد میں اختلافات ہیں، جن کی بنا پر ان کے ہاں بھی بے شمار فرقے موجود ہیں، ایسے بھی فرقے موجود ہیں، جن کے نزدیک امام وقت موجود رہتا ہے اور اس میں سابقہ امام کی رُوح حلول کرتی رہتی ہے (استغفر اللہ ـــ)

ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے احادیث نبویہ سے ہمارے سامنے امام مہدی کی شخصیت اور ان کے ظہور کا جو نقشہ آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک قائد اور ایک رہنما کی حیثیت سے ابھریں گے ۔ ان کا نام محمد ہوگا اور ان کے والد کا نام عبداللہ۔ وہ بیت اللہ شریف میں کعبہ کا طواف کررہے ہوں گے کہ لوگ ان کو پہچانیں گے کہ یہی امام مہدی موعود ہیں ــ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ایک آسمانی ندا بھی ان کی نشاندہی کرے گی ۔ وہ خود مہدی ہونے کے دعویدار نہیں ہوں گے بلکہ لوگ ان کو ازخود پہچانیں گے اور کوئی ندائے غیبی اس امر کی تائید کرے گی ۔ مسلمان ان کی قیادت میں متحد اور مجتمع ہوکر عیسائی قوتوں سے جنگ و قتال کریں گے اور ان کو پیچھے ہٹاتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جائیں گے۔ اور جب قسطنطنیہ کو عیسائیوں کے چنگل سے آزاد کرا رہے ہوں گے تو پھر ایک اور مرحلہ آئے گا جس کو ہم تیسرا مرحلہ Phase کہہ سکتے ہیں ۔ وہ وقت دجال اکبر کے ظہور کا وقت ہوگا ۔ اس کے ظہور کی خبر اس کے قبضے میں غیر معمولی اسلحہ اور عجیب و غریب کرشمے ہونے کے باعث تمام عالم میں آناً فاناً پھیل جائے گی ۔ بعض احادیث میں اگرچہ اس کے خروج کی جگہ اصفہان (ایران کا شہر) بتائی گئی ہے لیکن وہ خود بھی یہودی النسل ہوگا اور یہودیوں کی مسلح اور بظاہر ناقابل تسخیر قوت اس کی پشت پر ہوگی وہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا ۔ عیسائی قوتیں بھی اُس کے ساتھ مل جائیں گی اور مسلمانوں کو شدید ہزیمت و شکست سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ شدید نقصانات اٹھاتے ہوئے امام مہدیؑ کی قیادت میں دمشق کی طرف پلٹیں گے ان کی Phase ہوگی ــ احادیث نبویہ کی رو سے یہ وقت ہوگا عیسیٰ ابن مریم یعنی مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نزول کا جس کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا ــــــ یہاں تھوڑا سا توقف کر کے اس بات کو سمجھیے کہ احادیث کی روشنی میں کیسے کیسے سخت مراحل Retreal اور صبر آزما امتحانات آنے والے ہیں جس کے جلو میں تباہی، ہلاکت اور خون ریزی کے کیسے کیسے طوفان اٹھنے والے ہیں ــ ہمیں یہ کہہ کر تھپکی اور لوری دی جاتی ہے کہ بس اب پندرھویں صدی غلبہ اسلام کی صدی ہے اور روشن مستقبل ہمارا منتظر ہے اور ہم خوش ہوجاتے ہیں اور ان امانیوں سے بہل جاتے ہیں اور ہمیں ان فرائض کا احساس ہی نہیں ہوتا جو اعلائے کلمۃ اللہ،

احقاقِ حق ابطالِ باطل اور غلبہ دین متین کی سعی و جہد کے ہر کلمہ گو کے ذمے ہیں۔ حالانکہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کن انتہائی کٹھن مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور قطرے کے گہر ہونے تک اس پر کیا کچھ بیتنے والی ہے اور ان امتحانوں سے گزرنے کے لئے ہمارے پاس حقیقی دولتِ ایمان ہونی کتنی ضروری ہے۔ مشرق وسطیٰ میں سلطنت اسرائیل کے قیام اور دنیا بھر سے لاتعداد یہودیوں کی وہاں منتقلی پھر ان ممالک کی طرف سے جو عظیم اکثریت کے لحاظ سے عقیدۃً عیسائی ہیں، "اسرائیل" کی سرپرستی اور معاونت اور اس کی جارحانہ اور توسیع پسندانہ پالیسی کو پیشِ نظر رکھیئے اور غور کیجیے کہ اس کی سرحدیں کہاں تک پہنچی ہیں اور مستقبل کے لئے کون کون سے مقامات محاذِ جنگ بننے والے ہیں — بہرحال احادیث نبویہ سے صحاح ستّہ جیسی بلند پایہ کُتبِ احادیث کے علاوہ بے شمار احادیث کے مجموعوں میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں، ان میں قطعیت اور صراحت کے ساتھ دجال اکبر کے ظہور اور حضرتِ مسیح علیہ السلام کے نزول کی سال دسن اور صدی کے تعین کے بغیر امّت کو خبریں دی گئی ہیں۔ ان احادیث صریحہ کی روشنی میں ہمارا اس بات پر کامل ایمان ہے کہ حضرتِ عیسیٰؑ بنفس نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ کسی "مثیلِ مسیح" یا بروزِ مسیح" کے آنے کا کوئی سوال ہی نہیں ——— یہ خیال وعقیدہ گمراہی ہے۔ ضلالت ہے زیغ ہے۔ بلکہ کفر ہے — صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ میں نزولِ مسیح کے نزول کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ "دجال جب مسلمانوں کو پامال کرتا ہوا دمشق کا محاصرہ کرلے گا تو اللہ تعالےٰ مسیح ابن مریم کو بھیج دیگا اور وہ دمشق کے مشرقی حصے میں، سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو ایسا محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتی کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ حدِ نظر تک جائیگی اور وہ کافر زندہ نہ بچے گا۔ پھر ابن مریمؑ دجال کا پیچھا کریں گے اور لُدّ کے دروازے پر اُسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے" ایک اور حدیث میں دجال کے ظہور کے سلسلہ میں آتا ہے کہ "پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اللہ تعالےٰ دجال کو اُفیق کی

گھاٹی کے قریب ہلاک کردے گا۔" ان حدیثوں میں دجّال کے قتل کا مقام لُدّ اور اَفیق کی گھاٹی کا قرب بیان کیا گیا ہے تو جان لیجئے کہ لُدّ Lydda فلسطین میں اسرائیل کے دارالسلطنت تل ابیب سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ یہودیوں کا اس وقت سب سے بڑا ہوائی اڈہ Air Base ہے - اَفیق آج کل فیق کے نام سے موسوم ہے یہ شام اور اسرائیل کی سرحد کا آخری شہر ہے جس کے آگے اسرائیل کی سرحد شروع ہوتی ہے اور لُدّ کے ہوائی اڈے کی طرف جاتی ہے — ان واضح احادیث اور تھوڑے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ اسی مضمون کی بہت سی احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نزول فرمانے والے بنفس نفیس وہی حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوں گے، جن کے متعلق یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ صلیب پر چڑھا دیئے گئے تھے اور جس کے متعلق قرآن مجید بصراحت اور شد و مد کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ وَ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ ط (النساء ۱۵۷) قرآن پہلے بیان کرتا ہے کہ یہود کے دلوں پران کے جرائم میں سے قتل انبیاء، انکار انبیاء اور حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور اس باعث بھی کہ " انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے - حالانکہ فی الواقع نہ انہوں نے اس (مسیح) کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا،، مشتبہ کر دینے کی صورت برناباس کی انجیل میں یہ بیان کی گئی ہے جس حواری نے غداری کر کے حضرت مسیحؑ کے خلاف مخبری کی تھی اور رومی سپاہیوں کے ہاتھوں ان کو گرفتار کرایا تھا - اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیح کے مانند کر دی اور اس کی زبان گنگ کر دی تھی[1] - آگے قرآن مجید اصل حقیقت کو ان الفاظ مبارک میں بیان کرتا ہے کہ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ۔ اور انہوں نے اس (مسیح) کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس (مسیح) کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے"۔ احادیث صحیحہ میں یہ وضاحت و صراحت بھی ملتی ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں بحیثیت نبی تشریف نہیں لائیں گے بلکہ اس وقت ان کی حیثیت خاتم النبیین آخرالرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی ہوگی — احادیث میں انکے نزول کا

---

[1] یہی شخص در اصل صلیب پر چڑھایا گیا تھا -

وقت نماز فجر کے قریب بیان ہوا ہے اور یہ بات بھی مذکور ہے کہ آں سے کہا جائے گا کہ آپ آگے بڑھیے اور نماز کی امامت فرمایئے لیکن آں جنابؑ انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے امام ہی کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ وہ امام مہدیؑ کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے"۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا "کیسے ہوگے تم لوگ جبکہ تمہارے درمیان ابن مریمؑ اتریں گے اور تمہارا امام اس وقت تم میں سے ہوگا"۔ اس مضمون کی بکثرت احادیث ہیں۔ — یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ ان کی حیثیت امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک امتی کی ہوگی اور امتِ مسلمہ کا نظم برقرار رہے گا۔

نزولِ مسیح علیہ السلام کے سلسلے کی جملہ احادیث پر غور و تدبّر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزول کا اصل مشن دجال کا قتل اور یہود کو کیفرِ کردار تک پہنچانا ہے۔

چونکہ قرآن حکیم میں رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نظر آتی ہے کہ جن قوموں کی طرف رسولوں کی براہِ راست بعثت ہوتی ہے، وہ رسول کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کی پاداش میں ہلاک کردی جاتی ہیں۔ جیسے قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح اور قوم شعیب علیہم السلام پر عذابِ استیصال کے نزول اور ان کی ہلاکت و بربادی کا تفصیل سے ذکر ہے۔ از روئے قرآن مجید حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت اصلاً بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ کے آغاز میں فرمایا وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کو حضرت مسیحؑ کی تکذیب پر ہلاک نہیں کیا گیا ان پر عذاب استیصال نہیں آیا — لہٰذا ان کی ہلاکت کا مرحلہ سنّت اللہ کے مطابق ابھی آنا ہے۔ اِسی سُنّت اللہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا جن کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور ان ہی کے ہاتھوں سے یہود سُنّت اللہ کے مطابق برباد ہلاک اور نیست و نابود کردیئے جائیں گے اور ان کا بالکلیہ استیصال ہوگا — یہودیوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ نزول مسیحؑ کے بعد عیسائیت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے اور تمام دنیا پر دین الحق کی حکمرانی ہوگی لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی شان بکمال و تمام سارے عالم پر ظاہر ہوگی —

حضرت ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم اور ترمذی و مسندِ احمد میں مروی ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابن مریم حاکم عادل بن کر پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے (فیکسر الصلیب) اور خنزیر کو ہلاک کریں گے (ویقتل الخنزیر) اور جنگ کا خاتمہ کر دیں گے (دوسری روایت میں جزیے کا لفظ ہے۔ یعنی جزیہ ختم کر دیں گے۔ وَیَضَعَ الحربَ اَو یضع الجزیۃ) اور مال کی وہ کثرت ہوگی کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہ رہے گا اور حالت یہ ہوجائے گی کہ لوگوں کے نزدیک خدا کے حضور ایک سجدہ کر لینا دُنیا و ما فیھا سے بہتر ہوگا۔" تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ اس مضمون کی متعدد احادیث صحیح سند کے ساتھ مختلف صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ان تمام احادیث میں یکسر الصلیب، یقتل الخنزیر اور یضع الجزیۃ کے جو الفاظ آئے ہیں۔ اس کا مفہوم تھوڑے سے غور و فکر سے سمجھ میں آجاتا ہے ۔ صلیب کو توڑنے اور خنزیر کو ہلاک کر دینے کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت ایک الگ دین کی حیثیت سے ختم ہوجائے گی۔ عیسائیوں کے اندر جو یہ دو (عقیدے) ہیں وہ سینٹ پال (پولوس) کی وجہ سے آئیں تھیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اُسے سینٹ (ولی) نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ پال ہی تھا جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت توحید کے چشمہ صافی میں عریاں ترین اور سب سے گھناؤنا شرک شامل کیا۔ یعنی حضرت مسیحؑ کو باقاعدہ اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا قرار دے کر ان کو اُلوہیت میں شریک ٹھہرایا پھر روح القدس کو جس سے عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ اور بعض کے نزدیک حضرت مریمؑ مراد ہیں۔ اقانیم ثلاثہ میں شامل کر کے تثلیث کا عقیدہ گھڑا۔ اسی پال نے یہ گمراہی بھی دینِ عیسوی میں بطور عقیدہ داخل کی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے یعنی حضرت مسیحؑ صلیب پر لعنت کی موت دے کر اُس کے ماننے والوں کے گناہ کا کفارہ بنا دیا۔ اسی نے شریعت موسوی منسوخ ٹھہرائی۔ انجیل میں سرے سے کوئی شریعت تھی نہیں۔ لہذا انبیاء کی اُمتوں میں عیسائیت ہی وہ اُمت ہے جس کی بنیاد صرف عقیدے پر ہے۔ شریعت ان کے ہاں موجود ہی نہیں حالانکہ متی کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کا یہ قول اب بھی موجود ہے جو آں جنابؑ نے پہاڑی کے وعظ (SERMON OF THE MOUNT) میں کہا تھا کہ" یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں۔ شریعت باقی اور جاری رہے گی"
(DONT THINK I HAVE COME TO DESTROY LAW) لیکن یہودی ذہن نے جو انتہائی سازشی ہے۔ جس کا شاہکار ایک پال تھا اور دوسرا

عبداللہ بن سبا جس کا کچھ ذکر میں آگے کروں گا — تو اس پال نے جب شریعتِ موسوی رد کی تو خنزیر کو بھی حلال کر لیا گیا جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہا ہے ۔ حضرت مسیحؑ اپنے نزول کے بعد خود اعلان فرمائیں گے کہ میں خدا کا بیٹا نہیں بلکہ اس کا بندہ ہوں اِنِّیْ عَبْدُ اللہِ نہ مجھے صلیب پر چڑھایا گیا بلکہ مجھے میرے رب نے آسمان پر زندہ اٹھا لیا تھا ۔ نہ میں نے خنزیر کو حلال کیا تھا اور نہ ہی میں نے شریعت کو ساقط کیا تھا ۔ اور ساتھ ہی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائیں گے ۔ نتیجۃً عیسائیت ختم ہو جائے گی ۔ اور یضع الجزیۃ یعنی جنگ یا جزیہ کو ختم کر دینے کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ مسیح کے بعد اُمتوں کا اختلاف ختم ہو جائے گا دوسرے تمام مذاہب و ادیان بھی مٹ جائیں گے اور سب لوگ ملّتِ اسلام میں شامل ہو کر ایک اُمت واحدہ بن جائیں گے ۔ اس طرح نہ جنگ و قتال کی ضرورت باقی رہے گی اور نہ کسی پر جزیہ عائد کیا جائے گا ۔ پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین غالب ہو جائے گا اور الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق آسمان سے رحمتیں نازل ہوں گی اور زمین اپنے تمام پوشیدہ خزانے اور برکتیں اگل دے گی ۔

متعدد احادیث کے مطالعے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فتنۂ دجال کے فرو کرنے، یہودیوں کا استیصال کرنے، تمام باطل ادیان کو محو اور تمام ملل و اُمم کو ملّتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ضم کرنے کے بعد چالیس سال تک اس دُنیا میں رہیں گے ۔ چنانچہ مسند احمد میں ایک روایت آتی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا دجال کے قصے میں بیان کرتی ہیں کہ "پھر عیسٰی علیہ السلام اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے ۔ اس کے بعد عیسٰی علیہ السلام چالیس سال تک زمین میں ایک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے" — بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شادی ہوگی ۔ وہ صاحبِ اولاد ہوں گے ۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کے اٹل قانونِ قدرت سے دوچار ہوں گے یعنی ان پر بھی طبعی موت واقع ہوگی ۔ جیسے ہر ذی نفس پر واقع ہوتی ہے پھر ان کی تدفین بھی اُس حجرہ شریف میں ہوگی جس میں نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے دو جاں نثار (ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ) مدفون ہیں ۔

میں نے پال کے ساتھ ایک دوسرے یہودی عبداللہ بن سبا کا بھی نام لیا تھا اب

ضمناً اس کا بھی کچھ حال سن لیجئے ــ پال نے تو حضرت عیسیٰؑ کے دین کا پورا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا - ابن سبا کی کوشش بھی یہی تھی کہ اسلام کی حقیقی تعلیم و دعوت کو بالکلیہ مسخ کر دے۔ لیکن چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخر الرسل ہیں اور قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے - اب تا قیام قیامت کوئی نبی اور رسُول آنے والا نہیں اور نہ کوئی کتاب نازل ہوگی نہ شریعت - اس لئے دین محمد علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ حاصل ہے - اسی لئے الحمد اللہ ثم الحمد اللہ دین اسلام، اس کی تعلیمات، قرآن مجید، سیرت مطہرہ، ارشادات و فرمودات رسول اللہ، سیر و احوال او آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بکمال و تمام جملہ تفصیلات و جزیات کے ساتھ محفوظ و مامون ہیں - ورنہ ابن سبا کی سازش ــــــــ انتہائی گھمبیر اور خطرناک تھی - البتہ وہ اس میں کامیاب ہوگیا کہ مسلمانوں میں ایسے تفرقے کا بیج بو گیا جس کے شجر خبیثہ کے برگ و بار کی تلخیوں کا مزا اُمت مسلمہ چودہ سو صدیوں سے آج تک چکھ رہی ہے - اور اس کے سازشی ہتھکنڈوں کا تاحال خمیازہ بھگت رہی ہے - عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی تھا - جو بظاہر مسلمان ہوا اور اس نے مسلمانوں میں شامل ہوکر سازشی ریشہ دوانیاں شروع کیں - اہل بیت کی محبت کا جھوٹا لبادہ اُوڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نومسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعے خلیفہ برحق حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف مہم شروع کی اور بہت سے سیدھے سادھے نومسلموں کی عقیدتوں کا رُخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا ــ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت کے پردے میں بڑے گمراہ کن خیالات کی نشر و اشاعت کی

ابن سبا کی سازش

اس طرح اس نے توحید کے چشمہ صافی کو ناپاک کرنے کی مذموم حرکت کی اور ابن سبا کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں ابن سبا کے بعض پیروں

نے آں جنابؓ کو خدا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو زجر و توبیخ کی اور قتل کرانے کی دھمکی دی لیکن ابن سبا نے ان کو اس عقیدے پر اتنا پختہ کر دیا تھا کہ انہوں نے کہا "ہم مرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اے علی! تم خدا ہو۔ تم ہماری اسی طرح آزمائش کر رہے ہو جس طرح اللہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی آزمائش کرتا ہے"۔ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو جلوا دیا۔ (ابن سبا اس وقت حضرت علیؓ کے زیر اقتدار حدود سے باہر جا چکا تھا) جب حضرت علیؓ شہید ہو گئے تو ابن سبا نے جو زمین موجود تھا مزید گمراہ کن اور فساد انگیز خیالات پھیلانے شروع کئے مثلاً یہ کہ حضرت علیؓ شہید نہیں ہوئے بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے ایک شیطان کو اپنی صورت دے کر آسمان پر چڑھ گئے۔ جس طرح عیسیٰ ابن مریمؑ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور جس طرح یہود و نصاریٰ قتل عیسیٰؑ کے دعوے میں جھوٹے ہیں اسی طرح خوارج بھی قتل علیؓ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اس شخص کو مصلوب دیکھا جس کی صورت حضرت عیسیٰؑ کی صورت پر بنا دی گئی تھی اسی طرح قتل علیؓ کے دعویداروں کو قتیل بصورت علیؓ نظر آیا۔ نعوذ باللہ من ذالک! بخاری میں ابن سبا کی ان ریشہ دوانیوں کا اجمالاً ذکر موجود ہے۔ آج صبح ہی جناب مولانا حامد میاں سے اس مسئلہ پر تبادلۂ خیالات ہوا تھا تو مولانا نے بتایا کہ مسند امام ابوحنیفہؒ میں ابن سبا کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی احادیث کا ایک مجموعہ "مسند ابوحنیفہ" کے نام سے موجود ہے ــ حاصل کلام یہ کہ امت میں سیاسی اعتبار سے تفرقے اور دینی اعتبارات سے شخصیت پرستی، الوہیت علیؓ اور بے شمار مشرکانہ نظریات و عقائد کا پہلا بانی و مبانی یہی ملعون عبداللہ ابن سبا ہے ــ اس مسلمان نما یہودی نے ایسے کانٹے بوئے تھے اور ایسے فتنوں کی داغ بیل ڈالی تھی کہ ہم آج تک اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ اسی شجر خبیثہ کی بے شمار شاخیں آج اپنی جگہ تناور درختوں کی صورت میں موجود ہیں اور اس کے تلخ برگ و بار سے ہم کو سابقہ پیش آ رہا ہے اس فتنے کی کوکھ سے سینکڑوں فتنے پیدا ہو چکے ہیں، جن میں سے بعض بڑی شد و مد کے ساتھ آج بھی موجود ہیں ــ امید افزا بات یہ ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور اور حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کے نزول سے یہ تمام جھاڑ جھنکار صاف ہو جائیں گے اور اسلام و توحید کے خورشید تاباں سے سارا جہاں منور ہو گا۔ ان شاء اللہ العزیز ــ

میں نے عرض کیا تھا کہ احادیث نبویہ میں قربِ قیامت کے متعلق جو علامات اور پیشین گوئیاں بیان ہوئی ہیں وہ ظاہر ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ گویا آخری سین کے لئے اسٹیج تیار ہو رہا ہے۔ یہودی جو دنیا کے مختلف ممالک میں منتشر تھے ان کی "اسرائیل" کے نام سے فلسطین میں ایک آزاد و خود مختار ریاست آج سے تقریباً چالیس سال قبل قائم ہو چکی ہے۔ جہاں تمام دنیا سے سمٹ سمٹ کر یہودی جمع ہو رہے ہیں۔ ان کا سرمایہ، ان کی قابلیت، ذہانت اور مہارت مجتمع ہو کر عالم اسلام کے لئے ایک عظیم خطرہ بن چکی ہے۔ اس خطرے کا عملی مظاہرہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں شام، اُردن، لبنان اور مصر کے بہت سے علاقوں پر اسرائیل کا قبضہ آج تک برقرار ہے بلکہ بیت المقدس پر بھی وہ قابض ہے اور اس کی حرمت اس کے ہاتھوں پائمال ہو رہی ہے۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان کے دلوں میں اللہ کے آخری رسول، آخری کتاب، آخری و مکمل دین و شریعت سے جو بغض و عداوت اور حسد تھا اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے حالانکہ یہ امویوں، عباسیوں، فاطمیوں اور عثمانیوں کی مسلم حکومتیں تھیں، جنہوں نے یورپ کے متعصب عیسائی حکمرانوں کے جور و ستم اور ظلم و تعدی سے یہودیوں کو نجات دلائی تھی اور جن کی زیرِ عافیت یہ باقی بھی رہے اور پھلتے پھولتے بھی ــ لیکن ان کا سازشی اور انتقامی ذہن اسلام کی سلامت روی اور انسان دوستی سے بالکل متاثر نہیں ہوا ــ اسی یہودی ذہن کی کرشمہ سازیاں ہیں جو آج دنیا میں مادہ پرستانہ فکر و نظر پر قابو یافتہ ہیں ــ عریانی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی کے جو مناظر آج دُنیا دیکھ رہی ہے اس کی ترویج میں بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ داروں کا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک اور خاص طور پر امریکہ کے ذرائع ابلاغ اخبارات و رسائل ۔ ریڈیو ٹی ۔ وی اور فلمی صنعت پر زیادہ تر یہودیوں کا قبضہ Hold. ہے۔ یہی حال بڑی بڑی صنعتوں اور بینک کاری کا ہے ــ جن اداروں پر ان کا براہ راست قبضہ نہیں ہے، وہ ان کے زیرِ اثر ہیں ۔ ایوانِ حکومت میں بھی وہ بہت با اثر ہیں ۔ کتنے کلیدی عہدے ان کے پاس ہیں ۔ علامہ اقبال نے آج سے تقریباً پچاس پچپن سال پہلے کہا تھا کہ

ع " فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے" تو آج یہ صورت حال زیادہ روشن اور واضح طور پر دنیا کے اُفق پر نظر آ رہی ہے ۔ سود خواری یہود کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور ان کا گوشت پوست اور خمیر اسی حرام کی غذا سے بنا ہے ۔ آج اسی یہودی ذہن کی

سازش کے باعث دنیا کی تمام معیشت سودی لین دین کی لعنت میں گرفتار ہے - پھر اس کو فریب اور پُرکاری کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ لوگ اس کی مضرتوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں - امریکہ اور کینیڈا میں اس سودی کاروبار کی فریب کاری کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں - وہاں لوگ مکان خریدتے ہیں اور اس کی قیمت بنک سے قرض لے کر ادا کرتے ہیں بنک والے اور مکان فروخت کرنے والے زیادہ تر یہودی ہیں - بنک ضمانت میں مکان رہن Add - Back کر لیتا ہے - تیس سال کی قسطوں میں یہ اصل رقم معہ سود واپس کرنی ہوتی ہے - آغاز ہی میں اس پر سود در سود کے حساب سے سود کی رقم محسوب ہوتی ہے اور پھر ماہانہ اقساط میں وصولیابی شروع ہوتی ہے - یعنی اصل سے پہلے سود لینا شروع ہوتا ہے - لوگ اس فریب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ مکان ہمارا ہو گیا - حالانکہ مکان بینک کے پاس رہن ہوتا ہے اگر قسطوں کی ادائیگی میں بے قاعدگی ہو جائے تو مکان ضبط - بنک اس کو نیلام بھی کر سکتا ہے یا دوبارہ فروخت کر سکتا ہے - کمی پہلے خریدار کے ذمے رہے گی - پھر جو مکان پچاس ہزار ڈالر کی قیمت کا ہوتا ہے وہ اس لعنتی سودی دھندے کی وجہ سے تین گنا زیادہ قیمت کا پڑتا ہے - میرے حالیہ دورے میں ٹورنٹو میں ایک صاحب نے تنظیم اسلامی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا جس میں شمولیت کی شرط یہ بھی ہے کہ کسی سودی لین دین سے تعلق نہ ہو - انہوں نے اسی رہن کے اصول پر مکان لے رکھا تھا اور تین چار سال سے پابندی سے اقساط ادا کر رہے تھے - انہوں نے کل ادائیگی کر کے رہن ختم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ ابھی تو صرف سود بھی پورا ادا نہیں ہوا - اصل میں سے کچھ ادائیگی کا کیا سوال!! یہ ہیں سود کے ہتکنڈے - پھر ستم بالائے ستم یہ کہ امریکہ میں حکومت پر یہودیوں کے اثر کی وجہ سے انکم ٹیکس کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ عیارانہ اور ظالمانہ قاعدہ رائج ہے کہ اگر کوئی شخص کرایہ پر مکان لیتا ہے اور پانچ سو ڈالر ماہانہ کرایہ ادا کرتا ہے تو یہ خرچ ٹیکس کے حساب میں شمار نہیں ہوگا بلکہ آمدنی میں شامل Margage کر کے اس پر ٹیکس لیا جائے گا - لیکن اگر رہن پر کسی نے مکان لیا ہے تو وہ اس کی قسط اور سود کی جو رقم بنک کو ادا کرتا ہے، وہ خرچ میں شمار ہوتی ہے اور انکم ٹیکس میں وضع ہو جاتی ہے - یہودی ذہن کی چالاکی دیکھئے کہ اس طرح حکومت انکم ٹیکس کی جو چھوٹ دیتی ہے، اس کا اصل فائدہ یہودی

بینک کا رہی کو ہوتا ہے اور حکومت نقصان میں رہتی ہے ۔ یعنی وہاں لوگوں کو ایسے جال میں کس دیا گیا ہے کہ وہ کرایہ پر مکان لیں تو کرایہ کو خرچ میں نہیں ڈال سکتے اگر سود پر مکان خریدیں تو حکومت اس رقم کے ٹیکس کا نقصان برداشت کرلیتی ہے اور یہ ادائیگی کرنے والا مطمئن رہتا ہے ـــ اس وقت معیشت اور ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا جو تسلط اور اثر ورسوخ ہے اس کا ذکر تو ضمنی طور پر آگیا ۔ اب آئیے اصل موضوع کی طرف ۔

اس وقت مشرق وسطیٰ جس نازک صورتِ حال سے دوچار ہے، اس پر غور کیجئے! سُرخ سامراج اس وقت خلیج کی ریاستوں اور عرب سلطنتوں پر واضح طور پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا ہے اور "سیال سونے" پر قابض ہونے اور گرم پانی تک پہنچنے کے لئے اس کے عزائم اور اس کے منصوبوں کا معمولی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے افغانستان میں روسی جارحیت ان ہی عزائم کی تکمیل کی طرف پہلا قدم معلوم ہوتا ہے ۔ بہت سے مسلم ممالک جن میں مصر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے چار و ناچار امریکہ کی طرف جھکتے چلے جا رہے ہیں اور کچھ ایسا نقشہ جمتا نظر آ رہا ہے کہ تیسری عالمی جنگ چھڑنے کا وقت دُور نہیں ـــ اور اگر یہ جنگ چھڑی تو سب سے بڑا میدانِ جنگ مشرق وسطیٰ ہو سکتا ہے اور عجب نہیں کہ بیشتر مسلم ممالک خواہی نخواہی امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں کے دوش بدوش اس جنگ میں شامل ہوں ۔ اور دنیا جانتی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نوے فیصد سے زیادہ آبادی عیسائیوں پر مشتمل ہے ـــ گویا احادیث نبویہ میں جس عظیم جنگ ، ہلاکت و بربادی کی خبر دی گئی تھی کہ ایک زبردست اور خون ریز و تباہ کن جنگ ہوگی ۔ جس میں مسلمان اور عیسائی ایک تیسری طاقت کے خلاف متحد ہوں گے ، اس کے آثار سامنے نظر آرہے ہیں ـــ ہو سکتا ہے کہ اس متوقع ہولناک تباہی کے ظہور میں آنے میں کچھ اور وقت لگے لیکن موجودہ حالات کی سنگینی بتا رہی ہے کہ یہ جنگ اور ٹکراؤ ناگزیر اور اٹل ہے ـــ یہودی اس جنگ میں یقیناً امریکہ ہی کے حلیف ہوں گے چونکہ امریکہ کی حمایت ہی میں اس سرطان نے مشرق وسطیٰ میں پنجے گاڑے ہیں ۔ اور امریکہ ہی اس وقت ان کا سب سے بڑا حامی و مددگار ہے ـــ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے دلوں میں متوقع جنگ کے بعد یہودی ہی نفرت کا بیج بونے کا کردار ادا کریں گے اور پھر دجال کی قیادت

میں عیسائی مملکتوں کی تائید و اعانت حاصل کر کے مسلمانوں پر یلغار کریں گے اور مسلمان شکست و ہزیمت سے دوچار ہوں گے۔ یہی وقت ہوگا حضرت مسیحؑ کے نزول کا اور یہی دور ہوگا جب یہودیت کا بالکلیہ استیصال ہوگا اور عیسائی دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند ہو گا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ امن و سلامتی کا دور کتنے سال اور کتنی صدیوں تک رہے گا۔ انسانیت کا قافلہ پھر صراط مستقیم اور جادہ حق سے ہٹ کر شیطان کی بتائی ہوئی پگڈنڈیوں میں بھٹک جائے گا۔ حتیٰ کہ زمین پھر اللہ تعالیٰ سے بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ظلم و ستم اور جور و تعدّی سے معمور ہو جائے گی۔ شر غالب ہوگا۔ خیر مغلوب ہی نہیں، ناپید اور معدوم ہو جائے گا۔ یہ زوال دُنیا کا خاتمہ لے کر آئے گا اور وہ ساعت جس کو ہم قیامت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جس کی خبر قرآن مجید میں مختلف اسالیب سے دی گئی ہے، آئے گی اور یہ دنیا اور یہ کائنات تہہ و بالا اور ملیامیٹ کر دی جائے گی۔ نظام ثقل درہم برہم ہو جائے گا اس وسیع و عریض کائنات میں پھیلے ہوئے عظیم الشان ستارے اور کرّے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور یہ عالم تہس نہس ہو جائے گا۔ جیسا کہ سورہ حج کے آغاز میں فرمایا اللہ رب العالمین نے " يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہی ہولناک چیز ہے۔" سورۃ تکویر میں فرمایا " إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ " اور سورۃ انفطار میں فرمایا إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ۝ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝

حاصل کلام یہ کہ یہ کائنات مشیت و حکمتِ خداوندی کے تحت اپنی اجلِ مسمیٰ کی طرف گامزن ہے اور اس انجام سے لازماً دوچار ہوگی جو اس کا مقدر ہے۔ لیکن اس انجام کے وقت، سال، سن یا صدی کا تعین کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ میں سورہ لقمان کی آخری آیت اور حدیثِ جبرئیلؑ کے حوالوں سے بیان کر چکا ہوں۔ البتہ یہ گھڑی آکر رہے گی اس میں شک کرنا کفر ہے۔ پھر اس آخری گھڑی کے آنے تک اُمتِ مسلمہ اور بنی نوع انسان جن حالات

سے دوچار ہوتی رہے گی، اس کا جو نقشہ احادیث نبویہ سے سامنے آتا ہے، ان کو بھی میں نے بیان کر دیا ہے اور ہم آج جن حالات سے گزر رہے ہیں ۔ ان پر غور کرنے سے پیش آنے والے واقعات و حادثات کا جو خاکہ ذہن میں بنتا ہے اس کو بھی بیان کرنے کی میں نے امکانی حد تک کوشش کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن و حدیث میں کسی صدی کے تعین کے ساتھ کوئی خبر نہیں دی گئی ہے ۔ البتہ احادیث میں علامات بیان ہوئی ہیں اور وہ علامات ہم کو چشم سر سے نظر آ رہی ہیں اور صاف نظر آ رہا ہے کہ ہمیں بہت کٹھن مراحل اور سخت امتحانات سے گزرنا ہے اور یہ محض خام خیالی ہے کہ پندرھویں صدی ہمارے لئے غلبۂ اسلام کی نوید لے کر آ رہی ہے ۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی اُمتِ مسلمہ کو کن کن صدموں اور حادثوں سے دوچار ہونا ہے ۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ایک دور آئے گا جس میں اسلام کا غلبہ ہو گا —— بڑے نصیبے والے ہوں گے وہ لوگ جو اس غلبۂ اسلام میں امام مہدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے زیر قیادت فی سبیل اللہ اور غلبۂ دینِ حق کے لئے جہاد و قتال میں اپنے جان و مال کی قربانیاں پیش کریں گے اور بڑے ہی خوش نصیب ہوں گے جو غلبۂ اسلام کے اس دور سے متمتع و مستفیض ہوں گے ۔ اور بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس دَورِ سعید کے لئے اس وقت اپنا تن من دھن لگانے کی سعادت حاصل کریں ۔

ہمارے لئے عبر و بصائر

غلبۂ اسلام کا دور، پھر کفر و شرک اور ضلالت کا دور دورہ بعدہ قیامت کا ظہور ۔ یہ مستقبل کی باتیں ہیں اور مشیّتِ الٰہی کے مطابق ان کا وقوع پذیر ہونا برحق ہے ۔ سوال یہ ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں ؟ دین کے ساتھ ہمارا انفرادی و اجتماعی تعلق اور رویّہ کیا ہے ؟ اس نقطۂ نظر سے جب ہم اس وقت کی مسلم اقوام و ملل کا جائزہ لیتے ہیں تو سخت مایوسی سے سابقہ پیش آتا ہے —— میں نے مسلم اقوام و ملل اس لئے کہا ہے کہ اُمّتِ مسلمہ فی الواقع ایک وحدت اور اکائی کی صورت میں آج موجود نہیں ۔ ہمارا کوئی مرکزی نظم نہیں ۔ مختلف ممالک میں ہماری آزاد و خودمختار مملکتیں البتہ قائم ہیں ۔ ان کا حال بھی یہ ہے کہ اسلامی شریعت کہیں بھی نظامِ مملکت کی حیثیت سے قائم نہیں —— سعودی عرب میں شریعت کے حدود و تعزیرات اور قوانین جاری ہیں بھی تو وہ اس کا نظام حکومت اسلام کے شورائی نظام سے

تہی دست ہے - وہاں ایک خاندان کی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے - سوال یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے اُمت کو برپا کیا گیا تھا اور جو فرض اس کے سپرد کیا گیا تھا - بفحوائے آیاتِ قرآنیہ :- وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ "اور اس طرح ہم نے تم کو اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر (حق) کے گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو" - یا اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "اللہ کے نزدیک دین (زندگی کا نظام) صرف اسلام ہے" یا كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ "اب دُنیا میں وہ بہترین اُمت (گروہ) تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت اصلاح) کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" یا وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ "(اے ایمان والو!) کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظام حکومت و اطاعت) پورا کا پورا اللہ کے لئے نہ ہو جائے" پھر شہادت علی الناس اور دعوت و تبلیغ کا فرض حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر "فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" "پس پہنچائیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں" اپنی اُمت کے سپرد کیا تھا - اس فرض کی ادائیگی کے لحاظ سے ہم کس مقام پر کھڑے ہیں ؟ — عبادتِ ربّ کا جو حکم ہم کو دیا گیا تھا اس کا ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی میں کیا رتبہ ہے ؟ اس نقطۂ نظر سے جب بھی کوئی دردمند مسلمان دیانت کے ساتھ خود اپنا اور اپنے ملک اور دوسرے مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کا جائزہ لے گا اور اگر اس کے دل میں دیانت و صداقت کا جذبہ کچھ بھی موجود ہے، تو اس کا سر لازماً شرم و ندامت سے جُھک جائے گا - اُسے خود محسوس ہوگا کہ نہ صرف ہمارا پورا معاشرہ بلکہ وہ خود بھی دینی و اخلاقی اعتبار سے تنزل پذیر ہے - اِلّا ماشاء اللہ -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ "میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے - بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے" اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حضرت

عبداللہ ابن عمرؓ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے - حدیث کے الفاظ ہیں: لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی أُمَّتِیْ کَمَا أَتٰی عَلٰی بَنِیْ إِسْرَآئِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ — خدا کا عدل بے لاگ اور اس کا قانون اٹل اور غیر مبدّل ہے - جو معاملہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں، ناشکریوں اور دین کے ساتھ استہزا کی وجہ سے ان کے ساتھ کیا گیا تھا بعینہٖ وہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے چونکہ ہم بھی بحیثیت امت انہی جرائم کے مرتکب ہوتے چلے آرہے ہیں، جن کے مرتکب بنی اسرائیل ہوئے تھے - بنی اسرائیل پر عروج و زوال کے دو دو دار آئے - ہماری تاریخ بھی یہی نقشہ پیش کر رہی ہے - ہم بھی عروج کے دو دو دار سے گزر چکے ہیں - زوال کا پہلا دور صلیبی جنگوں اور تاتاریوں کی یلغار کی صورت میں آیا - لیکن پھر رحمتِ خداوندی نے ہماری دستگیری فرمائی اور جن تاتاریوں اور مغلوں کے ذریعے عربوں کو پٹوایا تھا - ان ہی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور قیادت کا عَلَم ان کے ہاتھوں میں تھما دیا - علامہ اقبالؒ نے اسی تاریخی حقیقت کو اس شعر میں بیان کیا ہے - ع

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ترکانِ عثمانی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ قسطنطنیہ ان کے ہاتھوں فتح ہوا - ان کی سطوت کا یہ عالم تھا کہ پورا جزیرہ نما بلقان ان کے زیرِ نگیں آگیا - یہاں تک کہ مغرب میں سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدیں ہنگری تک پہنچ گئیں اور جنوب میں اٹلی کے دروازوں پر ان کی فوج دستک دے رہی تھی لیکن پھر مسلمان عیش کوشی میں مبتلا ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے کی ذمہ داریاں کو فراموش کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی سنت پوری ہوئی ایک طرف پندرھویں صدی کے اواخر میں سلطنت ہسپانیہ کا قلع قمع ہوگیا اور ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد تو بعینہٖ وہ صورت پیدا ہوگئی جس کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے جیسے کہ "وہ کبھی وہاں آباد ہی نہیں تھے" دوسری طرف جنوب میں ہندوستان، ملایا، انڈونیشیا میں مسلمانوں کی حکومتیں یکے بعد دیگرے مغربی استعمار کے چنگل میں گرفتار ہوئیں، اور سیاسی طور پر اُن کی غلام بن گئیں - بعدہٗ عذابِ خداوندی کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ - تا ۱۹۱۸ء) کے خاتمے پر عظیم دولت عثمانیہ سمٹ سمٹا کر ایشیا کوچک میں محدود ہوگئی اور شمالی افریقہ سمیت پورا عالمِ عرب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو کر مختلف یورپی اقوام کے براہ راست زیرِ نگیں ہوگیا یا بالواسطہ محکومی میں آگیا اور اسلام و مسلمان دونوں اپنے زوال و انحطاط

کو پہنچ گئے اور ہُو بہُو وہی کیفیت پیدا ہو گئی جس کی خبر دی تھی کہ الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ " مسلمانوں کا حال کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود "غُثَاُ السَّیْل" یعنی سیلاب کے جھاگ جیسا ہو جائے گا اور اقوامِ عالم ایک دوسرے کو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کی اس طرح دعوت دیں گی جیسے کسی دعوت کا اہتمام کرنے والا دستر خوان چنے جانے کے بعد مہمانوں کو بلاتا ہے " ۔ مخبرِ صادق ؐ نے پیشگی متنبہ فرما دیا تھا کہ ایسا اس لئے ہوگا کہ " مسلمانوں میں حُبِّ دُنیا اور کراہیتِ موت کا مرض پیدا ہو جائے گا " یہی ہوا اور جب مسلمان فکرِ آخرت سے دُور ہو گئے اور ان کو دُنیا کی زندگی اتنی محبوب ہو گئی کہ موت ہی نہیں بلکہ اس کے تصوّر سے بھی ان کو کراہیت آنے لگی تو دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ان کی نہ کوئی ساکھ رہی، نہ عزت و وقار رہا ۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد

تیس چالیس سال کے عرصے میں مغربی استعمار کے براہِ راست تسلّط اور غلامی سے نجات اگرچہ مل چکی ہے لیکن اب بھی ہم من حیث المجموع مغرب کی علمی و فکری اور تہذیبی غلامی میں مبتلا ہیں اور ابھی تک کوئی مسلم ملک ایسا موجود نہیں ہے جس کو صحیح معنوں میں " اسلامی ملک " کہا جا سکے ۔ یعنی جس ملک میں اسلام کے نظام کی برکات کا ظہور نظر آتا ہو اور جس کے معاشرے کو " اسلامی معاشرہ " کہا جا سکے ۔ گویا حال یہ ہے کہ ہمارے قول و عمل میں بہت نمایاں تضاد ہے جو مسلمانوں کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں نظر آ رہا ہے ۔ اور قول و عمل کا تضاد اللہ تعالےٰ کے غضب کو بہت بھڑکاتا ہے ۔ بفحوائے آیت قرآنی : يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ " اے ایمان والو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ اور اس کے غصّے کو بھڑکانے والی ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں " (الصف ۲-۳) دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے ملک کا حال دیکھ لیجئے ۔ ہم نے خدا اور خلق کے سامنے اعلان کیا تھا کہ پاکستان کو ہم اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنائیں گے ۔ پاکستان کا مطلب کیا ۔ لا الٰہ الا اللہ ۔ لیکن تینتیس ۳۳ سال گزر چکے ہیں ۔ اسلام کی طرف حقیقی پیش رفت تو دور کی بات ہے ہم تو اس کے برعکس روز بروز اسلام سے اور دُور ہوتے چلے آ رہے ہیں ۔۔۔ ہم کو بد عہدی کا ایک خمیازہ اس صورت میں

بھگتنا پڑا کہ ہمارا ایک بازو ہم سے الگ ہوگیا اور وہاں خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی گردنیں کٹیں، عزت و آبرو پامال ہوئی عصمت و عفت کے آبگینے پاش پاش ہوئے اور مال و منال لٹے - بربریت اور وحشت کا وہ دردناک دور دورہ ہوا کہ قیام پاکستان کے وقت غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم و مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹے تھے وہ بھی ماند پڑ گئے - عذاب الٰہی کی بدترین صورت یہی ہے جو کسی امت پر آتی ہے کہ مسلمانوں کا ایک فریق دوسرے مسلمان فریق کے خون کا پیاسا بنا دیا جاتا ہے - بفحوائے الفاظ قرآنی :-
أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ ط "یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکوا دے" ۱۹۱۶ء کی جنگ کے دوران عربوں کے ہاتھوں ترکوں کا خون بہا - ۱۹۷۱ء میں بنگالی مسلمانوں نے غیر بنگالی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور اب ۱۹۸۰ء میں عذاب الٰہی ہی کی ایک صورت ہم ایران و عراق کی جنگ کی صورت میں دیکھ رہے ہیں - ہمارے دانشور بنگلہ دیش بننے کے اسباب یہ بیان کرتے نہیں تھکتے کہ صدر ایوب کی حکومت کے دوران بنگالیوں کو یہ احساس ہوا کہ مرکزی حکومت میں ہمارا کوئی عمل دخل اور حصہ نہیں ہے - اس لئے بنگالیوں میں احساس محرومی پیدا ہوا اور اس کے ردّ عمل میں مشرقی پاکستان میں فسادات ہوئے اور بنگلہ دیش وجود میں آیا - میں کہتا ہوں کہ یہ تو ظاہری حالات و اسباب ہیں ان کے علاوہ اور بھی ہو سکتے ہیں - لیکن اصل سبب وہی ہے جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے - وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ ج "اور میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اُسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا - اُسے میں پورا کروں" - اللہ سے بدعہدی کے خمیازے ہی میں ایسے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو پھر يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ ط کی سُنّت اللہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں - ہم ظاہری اسباب و حالات میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس اصل خرابی کی طرف ہماری نگاہ نہیں جاتی جو ان اسباب کے پیدا کرنے کی حقیقی وجہ ہے -

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ محض طفل تسلی ہے کہ پندرھویں صدی ہجری کا آغاز اُمت مسلمہ کے لئے اچھے حالات میں ہو رہا ہے - بلکہ ایسا نظر آ رہا ہے کہ ابھی عذاب الٰہی کے اور کوڑے ہماری پیٹھ پر برسنے والے ہیں - بھٹو کے زوال اور پھر عام ملکی انتخابات کے

بعد جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے جن عزائم کا اظہار کیا تھا اس سے یہ اُمید ہو چلی تھی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہو گی چونکہ اس وقت فضا تیار تھی۔ لیکن بہت سا وقت تو احتساب کی نذر ہو گیا اور بہت سا وقت تذبذب و تردّد میں گزر گیا جو تھوڑے بہت اقدامات کیئے گئے ان میں نیم دلانہ کیفیات نظر آئیں ——

چودھویں صدی کے اَواخر میں ایران میں ایک زبردست دھماکہ ہوا انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ جس کا دنیا میں اسلامی انقلاب کے نام سے تعارف ہوا۔ وہاں صورتِ واقعہ یہ تھی کہ وہاں اصلاً تو تحریک شہنشاہ کے ظلم و ستم، جور و تعدّی اور انتہائی جابرانہ آمریّت کے خلاف اٹھی تھی۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن والی، بائیں بازو والی، لبرل اسلام والی حتیٰ کہ ذہناً اور عملاً ملحد و اشتراکیت کی پرستار قوتیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ لیکن انقلابی تحریک میں غالب عنصر مذہب دوست عناصر کا تھا۔ اور ان کی پشت پر خمینی صاحب جیسی منفرد معتمد مذہبی رہنما کی شخصیت موجود تھی، جن کی قیادت اور مذہبی حیثیّت کو چیلنج کرنے کی دوسرے گروہوں کو ہمت نہیں تھی۔ اس لئے اس تحریک میں مذہبی عنصر غالب رہا اور اس کو "اسلامی انقلاب" سے موسوم کیا جاتا رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایران کے انقلاب نے دُنیا کو چونکا دیا آج سے ایک سال قبل کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایران میں شہنشاہ کے اقتدار کا خاتمہ تو درکنار اس کو ہلایا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن ایران کے اس انقلاب نے ایک طرف مغربی دُنیا کو اسلام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کی طرف متوجہ کیا۔ دوسرے طرف ان خطوں میں جہاں اسلامی انقلاب کی داعی جماعتوں میں مایوسی چھا چکی تھی وہاں مرجھائی ہوئی امیدیں کروٹیں لینے لگیں اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اسلامی نظام کی تحریکات نئے جوش و ولولے سے اٹھیں گی اور ہمارے مسلم حکمران ایران کے اس انقلاب سے سبق و عبرت حاصل کر کے اسلامی تحریکوں کی راہ میں مزاحمت کرنے کے بجائے ان کے لئے ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا بلکہ ہماری بدبختی کہ ابھی پندرھویں صدی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایران میں لبرل (LIBERAL –) اسلام اور راسخ العقیدہ

(ـــــ ORTHODOX) اسلام (ایرانیوں کے اپنے عقائد کے مطابق) میں باہمی اختلافات رونما ہونے شروع ہو گئے تھے اور ان کی باہمی کشمکش بڑھتی چلی جارہی تھی ۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے اسلامی انقلاب دشمن عناصر اور اس اسلامی انقلاب سے خوفزدہ گروہ عراق کی بعثی حکومت کی پشت پر آگئے ہیں جو فکر و نظر کے لحاظ سے اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات سے بہت بعید اور سیکولر (لادینی) نظام حکومت میں سے بھی اشراکیت سے بہت قریب ہیں ۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ پندرھویں صدی اس عالم میں وارد ہوئی ہے کہ دو مسلم ہمسایہ حکومتیں برسرپیکار ہیں ۔ اور دونوں کے مابین آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور ہماری بے عملیوں اور بدعملیوں کی پاداش میں اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ کی سنت اللہ ظہور فرما رہی ہے اور ایران و عراق کی یہ جنگ اس بات کا ثبوت ہے جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ ابھی عذاب الٰہی کے اور کوڑے ہماری پیٹھ پر برسنے باقی ہیں ۔ ذرا اندازہ تو لگائیے کہ دنیا بھر میں اسلام دشمن عناصر بالخصوص یہودی اور ان کی سلطنت اسرائیل، ایران و عراق کی اس جنگ سے کتنے خوش ہو رہے ہوں گے ان کے ہاں تو شادمانی کے نقارے بج رہے ہیں ۔ ان دونوں مسلم حکومتوں کا اس جنگ کے نتیجے میں جو بھاری نقصان اب تک ہو چکا ہے ، اس کی تلافی ایک ربع صدی تک ممکن نہیں اور ابھی اس جنگ کے رکنے کے دور دور تک آثار نہیں ۔ پھر روس منہ کھولے منتظر نظر آرہا ہے کیا عجب کہ اس جنگ کے نتیجے میں جب ایران کی دفاعی قوت کمزور سے کمزور تر ہو جائے تو وہ پیش قدمی کرے اور گرم پانی تک پہنچنے کی اپنی قدیم تمنا پوری کرے ۔ اخبارات سے اس جنگ کے جو حالات سامنے آرہے ہیں ۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایران عراق کے حملوں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے ۔ ایران و عراق کی سرحدی علاقوں میں سے اکثر عراق کے تسلط میں آچکے ہیں ۔ پھر بھلا ایران ، روس سے کیسے نبرد آزما ہو گا پھر ایران میں ایسے عناصر کی کمی نہیں جو روسی یلغار کا خیر مقدم کریں گے اور اندرون ایران ففتھ کالم کا کردار ادا کریں گے ۔ پھر اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ امریکہ متوقع روسی یلغار کی صورت میں مسلح مداخلت کرے ۔ ایرانیوں کی ہمدردی میں نہیں بلکہ اپنے مفاد میں ۔ چونکہ خلیج کی ریاستوں کے "سیال سونے" سے سب سے زیادہ وہی متمتع ہو رہا ہے ۔ اس کی معیشت کا

اس کی فوجی طاقت کا اور اسلحہ سازی کا بڑی حد تک "سیال سونے" سے مالا مال ممالک سے درآمدی و برآمدی تجارت پر انحصار ہے - اس کے مال کی کھپت کی، کافی بڑی منڈیاں یہی ممالک ہیں - پھر اس کے لئے تو یہ سنہری موقع ہوگا کہ میدان جنگ اس کے اپنے ملک سے جو ویسے ہی درمیان میں ایک وسیع و طویل سمندر حائل ہونے کی وجہ سے کافی دور ہے، مشرقِ وسطیٰ کو بنایا جائے اور یہیں قوت اور مہلک اسلحہ کو آخری حد تک آزما لیا جائے - پھر یہ اندیشہ بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ کہیں ایران و عراق کی جنگ ایران اور عرب کی جنگ کی صورت اختیار نہ کرے — ایسا ہوا تو ہم ایک بہت بڑی ہلاکت سے دوچار ہوں گے — پھر مصر اور لیبیا میں سخت اختلافات موجود ہیں جو تفرقے اور نفرت و عداوت تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں - بعید نہیں یہ دونوں مسلم ملک بھی یہودی سازش (یعنی روس اور امریکہ) کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جائیں — آگے چلیے - شام اور اردن میں ہر وقت مسلح تصادم کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے - سعودی حکومت صلح و آشتی کی کوشش کر رہی ہے - خدا کرے کہ اُسے کامیابی حاصل ہو — لیکن یہودی ذہن برابر سازش میں لگا رہے گا اور عجب نہیں کہ کسی وقت فلیتے کو آگ لگا دی جائے اور یہ آگ مسلمانوں کے لئے تباہ کن اور یہودیوں کے لئے خوش آئند ہو — شام کا ذکر چلا تو یہ بھی سن لیجئے کہ وہاں اس وقت جو پارٹی برسرِ اقتدار ہے وہ بعث پارٹی ہے جو کمیونسٹ پارٹی ہی کا دوسرا روپ ہے

بعث پارٹی کا ظلم

- یہ فرقہ اہل سُنّت کے تو دشمن ہیں ہی، ان شیعوں کے بھی دوست نہیں، جو حضرت علی رضؓ کی اُلوہیت کے قائل نہیں یہ فرقہ مکمل طور پر سبائیت کا ظِل ہے - اِن کے ہاتھوں شام میں سُنّیوں خاص طور پر اخوان المسلمون کے نوجوانوں کی گردنیں کٹ رہی ہیں اور ان کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے - میں حیران ہوں کہ جمال ناصر نے جب اخوان پر ظلم کیا تھا تو پورے عالم اسلام میں شور مچ گیا تھا - ہر طرف سے احتجاج کی صدائیں بلند ہوئی تھیں - لیکن آج

شام میں حافظ الاسد کے ہاتھوں ناصر سے دس گنا زیادہ ظلم وستم اور مصائب کے پہاڑ اخوان پر توڑے جا رہے ہیں ۔ لیکن عالم اسلام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کانوں میں انگلیاں ٹھسی ہوئی ہیں اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔کہیں سے کوئی صدائے احتجاج نہیں اٹھتی ۔۔ افغانستان کی صورتِ حال پر غور کیجئے ۔ پونے دو کروڑ مسلمانوں کا یہ ملک تقریباً ایک سال سے سرخ سامراج کی جارحیت اور بربریت کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے ۔ عالمی ضمیر کا یہ حال ہے کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔احتجاج کا عمل صرف زبانی جمع خرچ تک ہے ۔ وہ بھی اپنی مصلحتوں کے مطابق ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمی رائے ذہناً افغانستان پر روسی ناجائز قبضے کو قبول کر چکی ہے ۔ ہم خوش ہیں کہ افغان مہاجرین کے لئے مختلف امدادی سامان یہ ملک بھیج رہے ہیں یہ امدادی سامان افغانستان کی آزادی کو سلب کرنے کی تلافی تو نہیں کرتا ۔ اندازہ تو کیجئے کہ پونے دو کروڑ مسلمان کیسے انجام سے دوچار ہونے والے ہیں ! ترکستان میں روسی حکومت کے ہاتھوں مسلمانوں کی ایسی ر – BRAIN WASHING) ہوئی ہے کہ وہاں عظیم ترین مسلم اکثریت کو اپنے مسلمان ہونے کا شعور تک باقی نہیں رہا ۔ یہی حال افغانستان کا بھی ہونے والا ہے ۔ بھارت کے جو تیور ہیں وہ سب کے سامنے ہیں ۔آج ہی کے نوائے وقت میں آپنے صدر صاحب کا وہ انٹرویو پڑھا ہوگا جو امریکہ کے ایک اخبار کو دیا گیا تھا ۔۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کیلئے روسی سامراج سے گلف کو محفوظ رکھنا آسان نہیں ۔ امریکہ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ بھارت کے چرنوں میں رکھ چکا ہے ۔ پاکستان کے ساتھ مفاہمت کا وہ کوئی معاملہ کرنے کو تیار نہیں ۔ وہ بھارت کو راضی رکھنے کے لئے آخری قیمت دینے کے لئے بھی ذہناً آمادہ نظر آیا ہے ۔ صدر صاحب وہاں کہہ آئے ہیں اور بالکل ٹھیک کہہ آئے ہیں کہ سارے جتن کر لیجئے پھر بھی بھارت آپ کا نہیں ہوگا ۔لیکن امریکہ کی حکومت اور رائے عامہ کی سوچ میں کسی تبدیلی کے کوئی آثار نہیں ہیں ۔ پھر امریکہ کسی طرح اسرائیل کو ناراض نہیں کرنا چاہتا ۔ پاکستان سے مضبوط تعلقات اسرائیل کی ناراضگی کا موجب ہو سکتے ہیں پھر دیکھئے تا حال بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے ۔ وہ اس شہر کو اپنا مستقل دارالحکومت بنانے کے لئے برابر اقدامات کر رہا ہے عالمی رائے عامہ بھی خاموش ہے کسی موثر اقدام کے دور دور آثار نظر نہیں آتے ۔ اس کے عزائم کے پیچھے امریکہ کی تائید حاصل

ہے ۔ ورنہ اس کی یہ ہمت نہیں کہ وہ امریکہ کو ناراض کر کے اتنا بڑا اقدام کر سکے ۔ ہم مسلمان بھی سوئے ہیں ۔ دوسروں کا کیا گلہ ! ـــ عالم اسلام پر یہ کچھ بیت رہا ہے ۔ لیکن انصاف کے ساتھ اپنے ملک کا اور خود اپنا جائزہ لیجئے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر ایمانداری کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ ان حالات کا کتنا اثر اور درد اور فکر ہمارے دل میں اور قوم کے دل میں موجود ہے ۔ کیا ہم نے اپنے شب و روز کے مشغلوں کو ترک کیا ہے ؟ ۔ کیا ہم واقعی اللہ کی طرف رجوع ہوئے ہیں ۔ ؟ مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے ہاں شادمانی کی تقاریب بھی جاری ہیں اور لہو و لعب بھی ـــ کانفرنسیں ہیں تقاریر ہیں ۔ اعلانات ہیں ، بیانات ہیں لیکن ٹھوس عملی قدم کے لحاظ سے کوئی پیش رفت نہیں ۔ جسے دیکھو اس کے نزدیک اسلام اور غلبہ اسلام کی باتیں Table Talk and dep sense سے زیادہ اس کی اہمیت نظر نہیں آتی ۔ اِلاّ ماشاء اللہ ـــ میں آپ کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ صورتِ حال اُخروی لحاظ سے تو ہے ہی نہایت ہی خسارے والے انجام بد سے دوچار ہونے والی بات ـــ دنیوی لحاظ سے بھی انتہائی تشویش ناک ہے ۔ اب بھی اسلام ہمیں نعروں اور بلند بانگ دعووں اور بیانات میں ہی نظر آتا ہے ۔ یا اصلاح کے کچھ سطحی سے کام اسلام کے نام پر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں تو ان میں نیم دلی کی کیفیت جھلکتی ہے اور ایک مضبوط و موثر منصوبہ بندی کے تحت اسلام کی طرف پیش رفت کم از کم مجھے تو نظر نہیں آتی ـــ ماضی قریب میں بھی ہم نے اسلام کا نام اور نظام مصطفٰے کا نام بہت زور شور سے لیا ہے ۔ ملک بھر میں بڑا جوش خروش رہا ہے ۔ بڑے نعرے لگائے ہیں ۔ لیکن اسلام کی حقیقت دلوں میں جاگزیں نہیں تھی اس لئے نظام مصطفٰے کے لئے جلسے اور جلوس کا اہتمام کرنے والوں کا یہ حال چشم فلک نے دیکھا ہے کہ لوگوں کی عصر کی اور مغرب کی نمازیں چلی گئیں اور کسی کو احساس تک نہیں ہوا کہ دینی لحاظ سے ان سے کتنی عظیم غلطی ہو رہی ہے اور یہ جلسے جلوس دینی لحاظ سے نماز کے مقابل نفع کا سودا تھا یا خسارے کا ـــ اکم و بیش یہی حال آج نظر آ رہا ہے ۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا جائزہ لیجئے چونکہ اس نماز کی ادائیگی جماعت کے بغیر ممکن نہیں ۔ کسی شہر، کسی بستی، اور کسی قصبے میں چلے جائیے اور دیکھئے کہ ہماری

قوم کی کتنی فیصد آبادی اس فرض کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے - کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔ مسلم دنیا کا جو نقشہ مَیں نے آپکے سامنے پیش کیا ہے، کیا اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چودھویں صدی کا آغاز مسلمانوں اور اسلام کے لئے شادمانی کا پیغام لے کر آیا ہے! میں آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ آپ کو آپکا فرض بتانا چاہتا ہوں میری کوشش ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اُمت مسلمہ خوابِ خرگوش سے جاگے اور ہمارا ہر سوچنے سمجھنے والا شخص اپنی ذمہ داری کو اور اپنے فرض کو پہچانے اور ان کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہوجائے رحمتِ خداوندی کا دامن ہرآن کشادہ ہے - یہ تو ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم اس سے خود مُنہ موڑے ہوئے ہیں۔ ورنہ اس کا تو وعدہ ہے کہ یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمائے گا" اس آیت کے ضمن میں تمام مفسرین کے نزدیک اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد اس کے کلمے کی سربلندی کی سعی اور حق کو قائم کرنے کی تگ و دَو ہے۔

ع میرے دین کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے ہوں غازی میں اسی لئے نمازی

اللہ تعالیٰ بڑا ودود، رؤف اور رحیم ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ تم اپنی روش درست کرنے کی صدق دل اور عزم مصمم کے ساتھ کوشش کرو گے تو وہ تم کو اپنی رحمت کے دامن میں پناہ دے گا۔ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ۔

ع چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

لیکن دنیا کی محبت یہ ہمارا مال ومنال یہ ہمارا عیش وآرام، یہ ہمارے کاروبار، یہ ہماری بلڈنگیں، یہ ہمارے کارخانے اور فیکٹریاں ہمارے پاؤں کی بیڑیاں اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں بنی ہوئی ہیں - جو ہم کو ہلنے نہیں دیتیں - دین کے تقاضے پورا کرنے میں مانع ہوتی ہیں - یہی دنیوی مفادات ہیں جو ہم کو راہ حق میں قدم اٹھانے سے باز رکھے ہوئے ہیں - حالانکہ قرآن حکیم ہمیں واضح طور پر خبردار اور متنبہ کرتا ہے

کہ : اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؁ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؁ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ؁

"زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں، اُس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔ سب پر وہ (اللہ) محیط ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ سب قیامت کے روز فرداً فرداً اس کے سامنے حاضر ہوں گے" ہم میں سے ہر ایک کی اپنی موت سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر دنیا کے حالات کا جو نقشہ سامنے آرہا ہے۔ وہ بھی ہم کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ ہم خوابِ غفلت سے بیدار ہوں۔ بندۂ مومن کو تو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی موت کو ہر وقت یاد رکھے اور اس کا طرزِ عمل وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کے مطابق ہو۔ یہ ساز و سامان دنیا جوین کی راہ کا سنگ گراں ہے اُسے بالآخر ہم کو یہیں چھوڑ کر جانا ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ میں نے جو کچھ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے سمجھا ہے اور حالات کا جو مطالعہ کیا ہے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ میں "الدین النصیحۃ" کے فرمان نبوی کے مطابق عرصہ چودہ پندرہ سال سے لوگوں کو پکار رہا ہوں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اور لوگوں کو ان کا فرض یاد دلا رہا ہوں۔ اور سب کو اعتصام و تمسک بالقرآن کی دعوت دے رہا ہوں۔ سورہ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل کی عروج و زوال کے دو ادوار کا ذکر فرما کر ان پر رحمتِ خداوندی کی توجہ کے لئے جس صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کی گئی ہے وہ یہی قرآنِ مجید ہے :- اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ؁

"حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اس کو مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے"۔ پس معلوم ہوا کہ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی، اعمال صالح کی توفیق اور آخرت میں اجر کبیر کی ضمانت صرف اللہ کی یہی کتاب قرآن مجید ہے۔ سُنتِ رسولؐ بھی اسی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے جو ہمارے لئے واجب الاطاعت ہے۔ چونکہ آپؐ کی سیرت بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ مجسم قرآن تھی۔۔۔ انفرادی سیرت کی اصلاح ہوگی تو

اسی سے - پھر تجدیدِ دین ہو، احیائے اسلام ہو، ہماری دنیوی فلاح و صلاح ہو - ہماری اُخروی نجات ہو - ان سب کا دارومدار بھی ہمارے اُس رویے پر ہے جو ہم اس کتاب عزیز کے ساتھ اختیار کریں گے - آپکے علم میں ہوگا کہ میں نے وہ حدیث بہت عام کی ہے جس میں عظمتِ قرآن کا بیان بہ زبان صاحب قرآن صلے اللہ علیہ وسلم ہوا ہے - جسے انجمن نے چھ سات سال سے ہر رمضان المبارک میں ہزاروں کی تعداد میں طبع کر کے لوگوں تک پہنچایا ہے - وہ حدیث آپ حضرات نے بھی پڑھی ہو گی - وہ حدیث جامع ترمذی اور سنن دارمی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے - اُس میں حضورؐ نے ایک بڑے فتنے کی آمد سے خبردار اور اس فتنے سے بچنے کی تدبیر سے آگاہ فرمایا ہے - اس حدیث میں ہمارے لئے اس دور کے تمام فتن اور آنے والے تمام فتنوں سے محفوظ رہنے کا واحد نسخہ تجویز کیا گیا ہے اور اس حکیم حاذق کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے کہ جس کے موثر ہونے میں جو شک کرے اس کا ایمان باللہ درست ہے نہ ایمان بالرسالت اور نہ ایمان بالکتاب درست ہے - اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا مخرج قرآن کو قرار دیا ہے اور پھر قرآن کی عظمت بیان فرمائی ہے - میں وہ ورقہ ساتھ لے آیا ہوں جو ہم رمضان المبارک میں تقسیم کرتے ہیں - پوری حدیث اور اس کا ترجمہ سن لیجئے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ، فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا: "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ!" مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ

وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
(رواہ الترمذی والدارمی)

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شرّ سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کتابُ اللہ، اس میں تم سے پہلی اُمتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں، (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دُنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں اُن سب سے بھی آگاہی دے دی گئی ہے)، اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قول فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے مُنہ موڑے گا!) اللہ تعالیٰ اُس کو توڑ کے رکھ دے گا اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اُس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا!) قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے، اور محکم نصیحت نامہ ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی وہ حقِ مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں زبانیں اُس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرّفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اُس کو محرّف کر دیا۔ اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے!) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبّر کا عمل اور اُس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبینِ علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علمِ قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی اُن کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور اُن کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے جو

ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرتِ مزاولت سے کبھی پُرانا نہیں ہوگا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبّر کیا جائے گا اُتنا ہی اُس کے لطف و لذّت میں اضافہ ہوگا!) اور اُس کے عجائب (یعنی اُس کے دقیق و لطیف - حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنّوں نے اس کو سُنا تو بے اختیار بول اُٹھے ؎

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا	ہم نے قرآن سُنا جو عجیب ہے، رہنمائی
یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ	کرتا ہے بھلائی کی، پس ہم اس
فَاٰمَنَّا بِهٖ ۔	پر ایمان لے آئے ۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اُس نے سچّی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا،

اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اُس نے عدل و انصاف کیا، اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی۔ !"

حال ہی میں سنن دارمی میں مجھے ایک اور روایت ملی ہے ۔ حدیث کا ذخیرہ اتنا وسیع ہے کہ بڑا مشکل ہے کہ اس پورے ذخیرے پر کسی کی نگاہ ہو ۔ لیکن خدا ہی کا فضل شامل ہوتا ہے تو کوئی موتی کہیں سے نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے ۔ ابھی جو روایت آپ نے سنی اس میں تو حضرت علیؓ کے سوال کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے سے محفوظ رہنے اور اس سے نکلنے کا مخرج (EXIT -) قرآن حکیم کو بتایا ہے۔

آج میں آپ کو ایک دوسری حدیث بھی سنانا چاہتا ہوں جسے آپ میری آج کی تقریر کا اصل تحفہ بھی سمجھ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ میں نے اپنے حالیہ سفر کے دوران ہی ٹورنٹو (کینیڈا) کی جامع مسجد کے امام صاحب سے سُنی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جاءنی جبریل فقال یا محمد اُمّتک بعدک! " یعنی میرے پاس جبریلؑ آئے اور انہوں نے کہا کہ "اے محمدؐ اپنی امت کے بارے میں سوچئے کہ آپ کے بعد اس کا کیا بنے گا!" اس پر حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریلؑ ہی سے دریافت

کیا کہ: اَیْنَ الْمَخْرَجُ یَا جِبْرَئِیْلُ!" یعنی "اے جبریل! تم ہی بتاؤ کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟" جواباً "حضرت جبریلؑ نے کہا" اللہ کی کتاب! — اس میں آپ سے پہلے کے حالات بھی ہیں اور آپ کے بعد کی خبریں بھی ہیں اور کل معاملات و مسائل کا حل بھی ہے!" او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلّم!! — غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں روایات کے مضامین میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔

پہلی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مکالمہ بیان ہوا ہے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرتِ جبرائیل سے مکالمہ بیان ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے جو بات فرمائی تھی وہ اسی وحی غیر متلو کی روشنی میں فرمائی تھی جو حضرتِ جبرائیلؑ کے توسط سے نازل ہوئی تھی۔ ان دونوں احادیث میں لفظ مخرج پر غور و تدبر کیجئے۔ جہاں بھی بڑے بڑے ہال (HALL-) ہیں اور جہاں لوگوں کا عظیم اجتماع ہوتا ہے وہاں باہر نکلنے کیلئے بڑے اور نمایاں حروف میں (EXIT-) لکھا ہوتا ہے تاکہ اگر ہال میں آگ لگ جائے یا کسی اور قسم کی افتاد پیش آجائے تو لوگ اس مخرج (EXIT) کی طرف لپکیں اور اپنی جان بچا سکیں۔ یہ دنیا بھی ایک عظیم ہال کے مانند سمجھئے۔ اس میں شیطان ہر آن فتنے پھیلاتا ہے۔ اور پھر ایک عظیم فتنے سے اُمّت کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے اپنے پیارے رسولؐ کو وحی فرمادی تاکہ حضورؐ اُمت کو تلقین و نصیحت اور خبردار فرمادیں کہ تمام فتنوں اور خاص طور سے فتنۃ المسیح الدجال سے مخرج (EXIT-) کی سبیل قرآن مجید کا اعتصام و تمسک ہے۔ اور حضورؐ نے حضرتِ جبرائیلؑ کی روایت بھی صحابہ کرامؓ کے توسط سے اُمت کو پہنچادی اور پھر انتہائی وضاحت کے ساتھ اُمت کو تعلیم بھی فرمادی جو حضرت علیؓ کی روایت کے ذریعے اُمت کو پہنچ گئی۔ میں جب بھی یہ حدیث پڑھتا ہوں مجھ پہ ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے یہ حدیث فصاحت و بلاغت کی معراج ہے — میری دعوت اسی قرآن حکیم، اِسی ھدًی للنّاس، اِسی قولِ فیصل اور اسی تمام فتنوں کے مخرج کی طرف ہے جس کی تعلیم رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی — اس حدیث میں میرے لئے بھی یہ نوید جانفزا

موجود ہے کہ وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط" اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہو گئی "۔ میری تمام مساعی کا مرکز و محور یہی دعوت ہے کہ اللہ کے بندو! قرآن کی طرف آؤ قرآن کے دامن میں پناہ لو۔ ہمارے تمام مسائل کا حل رجوع الی القرآن ہے ۔ تجدید ایمان ۔ توبۃ النصوح اور تجدید عہد کی توفیق ملے گی تو اسی کتاب اللہ سے ہمارے انفرادی سیرت و کردار میں اصلاح ہو گی تو اسی نسخۂ شفا سے ۔ ہمارا اپنا ایمان یقین کامل کا درجہ حاصل کرے گا تو اسی نورِ مبین سے ۔ افراد بدلیں گے تو معاشرے کے بدلنے کی امید پیدا ہو گی چونکہ معاشرہ مجموعہ ہوتا ہے افراد کا ۔ افراد کا یہی کامل ایمان و ایقان جب اجتماعی ایمان (Collective Conviction) کی صورت اختیار کرے گا تب ہی اسلامی انقلاب کو راہ ہموار ہو گی ۔ ان شاء اللہ العزیز ۔

توقعات اور بشارتیں

پندرھویں صدی کا آغاز جن تشویش ناک حالات میں ہو رہا ہے، اس کا نقشہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے ۔ بظاہر یہ نقشہ مایوس کن ہے ۔ لیکن پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ مسلمان کے لئے مایوسی (Frustration) کفر ہے سورہ یوسف میں اپنے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا گیا کہ " وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ " اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں "۔ سورۃ الزمر میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے کہ : لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط ۔ " اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو "۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کی بشارت موجود ہے کہ وہ وقت آ کر رہے گا۔ جب پورا عالم نورِ توحید سے معمور ہو گا ۔ اور اللہ تعالٰے ہی کا کلمہ سربلند ہو گا ۔ میں نے جو بات آپ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آنے والی پندرھویں صدی کا آغاز بظاہر احوال خوشگوار اور امید افزا نظر نہیں آ رہا اور یہ بات اللہ تعالٰے ہی کے علم میں ہے کہ یہ صدی مسلمانانِ عالم اور پوری بنی نوع انسان کے حق میں سعید و مبارک ثابت ہو گی یا اس کے برعکس، اور "ساعۃ" قیامت کتنی دور ہے ۔ یہ معاملہ اللہ تعالٰے

کی مشیت پر چھوڑ دیتے ' ہمیں اپنی نجات کی، اپنی عاقبت کی، اپنی دنیوی فلاح کی اور اپنے ملک کی سلامتی کی فکر کرنی ہے ــ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت دنیا میں دینِ برحق کی شدید پیاس موجود ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں چودھویں صدی میں امتِ مسلمہ اپنے زوال کی انتہا تک پہنچتی نظر آتی ہے، وہاں اسی صدی میں ایک گھمبیر اور ہمہ جہتی احیائی عمل بھی ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ جس کو میں اس طرح تعبیر کیا کرتا ہوں کہ زوال و انحطاط اور تجدید و احیائے اسلام کے یہ دونوں عمل (الرحمٰن ۲۰، ۱۹) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ہ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ہ کی سی شان کے ساتھ پہلو بہ پہلو جاری ہیں ــ مجھے فکر ہے تو اپنی آخرت کی فکر ہے اور اپنے ہم وطنوں کی خاص طور پر ان کی آخرت کی فکر ہے جو مجھ سے کسی نوع کا تعلق رکھتے ہیں۔ مجھے اپنے وطن عزیز کی سلامتی اور استحکام کی فکر ہے جو اسلام کے نام پر بنا تھا اور جس کے وجود کا اسلام کے سوا کوئی جواز نہیں ہے ــ مجھے اپنے اُن مسلمان بھائیوں کی فکر ہے جو ایک ارب کے قریب تعداد میں اس وقت دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف نیک تمناؤں، نیک خواہشات خوش کن بیانات، جلسوں، جلوسوں اور نعروں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کے لئے ہمیں خود کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں خود بندۂ رب بننا ہوگا اور اسی عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی دعوت کا علمبردار بننا ہوگا۔ اگر ہم خود اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ تو اللہ تعالےٰ کا فیصلہ سن لیجئے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ط "حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی"۔ قرآن حکیم نے ہر معاملہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس نے ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ بس ہمیں خود کو بدلنا ہوگا، پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کی برکات و حسنات کا نمونہ بنانا گا اور اس مقصدِ عظیم کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ماخوذ طریق کار کو اختیار کرنا ہوگا۔ ہم نے یہ روش اختیار کی تو اللہ کی نصرت و تائید ہماری دستگیری کرے گی لیکن اگر ہم نے اس سے پہلو تہی کی تو یاد رکھیے کہ کوئی عجب نہیں ہم راندہ درگاہ کر دیئے جائیں ہمیں دھتکار دیا جائے جیسے ماضی میں عرب (امیین) کو قیادت و سیادت کے منصب سے معزول کر کے اسلام دشمن قوم تاتاریوں کو اسلام کی دولت سے سرفراز کر کے اسلام

کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہٹا کر کسی دوسری قوم کو اپنے دین کی خدمت اور اس کی سرفرازی و سربلندی کے لئے چُن لے۔ اور ہمارے حصے میں دنیا اور آخرت کی ذلت و رسوائی اور خسران کے کچھ نہیں آئے۔ اللّٰھم نعوذبک من ذالک — اسی کی طرف ہمیں سورۃ محمدؐ کی آخری آیت میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔ ہاں فرمایا: وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۝ "اور اگر تم مُنہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔" (جاری ہے)

اعتذار محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریباً دو گھنٹے کی یہ تقریر جناب محمد بشیر ملک صاحب نے فل اسکیپ کے پچپن صفحات پر لفظ بلفظ کیسٹ سے منتقل کی تھی۔ راقم الحروف نے جب اس کو تحریر کی صورت دینے کا کام شروع کیا تو خیال تھا کہ یہ مکمل تقریر میثاق کے چالیس بیالیس صفحات میں آجائے گی — وقت کی کمی کی وجہ سے جتنا کام روز ہوتا رہا کتابت کے لئے دیا جاتا رہا۔ لیکن جلد ہی معلوم ہوگیا کہ اندازہ لگانے میں غلطی ہوگئی ہے۔ فل اسکیپ کا ایک صفحہ میثاق کے دو صفحات لیتا ہے۔ لہٰذا اس خطاب کا پہلا حصہ "پندرھویں صدی کا آغاز" سے متعلق بحمداللہ مکمل پیش کر دیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ "امریکہ کے دورے کے تأثرات و مشاہدات" سے متعلق ان شاءاللہ آئندہ شمارے میں ہدیہ ناظرین کیا جائے گا۔ (ج۔ ر)

عن عبداللہ بن عمرؓ۔ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ

"اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی و گروہی اختلافات"

کے موضوع پر علماء کنونشن میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے چند نکات و اشارات

جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر مملکت پاکستان کی دعوت پر ۲۱-۲۲ اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں "علماء کنونیشن" منعقد ہوا تھا۔ جس کے پہلے اجلاس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے شرکت اور تقریر کی تھی۔ موصوف ۲۲ راگست کو امریکہ کے دعوتی دورے پر عازم سفر ہو گئے تھے جہاں سے ۱۶ راکتوبر ۸۰ء کو مراجعت ہوئی۔ ۳۱ راکتوبر کو مسجد شہداء میں درس قرآن کے بعد موصوف نے بعض دوسرے امور کے ساتھ اپنی اس شرکت کے اسباب کوائف اور اپنی تقریر کے چند نکات بھی پیش کئے۔ تاکہ بعض حلقوں کی طرف سے اس تقریر کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ تقریر کا یہ حصہ ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر لیا گیا تھا جو ہدیۂ قارئین میثاق ہے (مرتب)

حضرات! میں آپ کا کچھ وقت علماء کنونیشن کے متعلق کچھ گفتگو کے لئے لوں گا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ پورے پاکستان میں ریڈیو اور ٹی وی کی وساطت سے ۲۱ راگست کی شب کو اور اخبارات کے ذریعے ۲۲ راگست کی صبح یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ میں نے علماء کنونیشن میں شرکت کی ہے اور تقریر بھی کی ہے۔ میں ۲۱ راگست کی شب ہی کو اسلام آباد سے کراچی چلا گیا تھا جہاں سے ۲۲ راگست کی درمیانی شب کو امریکہ کے دوسرے دعوتی دورے پر روانہ ہو گیا تھا۔ ملک سے باہر چلے جانے کے باعث میں اس ردِّ عمل سے لاعلم رہا جو میری شرکت اور تقریر کے بارے میں ملک بالخصوص لاہور میں ہوا

تھا۔ واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس کنونشن میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا، ان کے متعلق بعض حلقوں میں بہت خوشگوار تاثر تھا اور ان پر تحسین بھی ہوئی اور ان کی تائید بھی۔ لیکن ایک حلقے میں میری تقریر کے بعض حصّوں کو بہت غلط رنگ دے کر اس پر بھونڈی تنقید کی گئی ہے اور بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی شرکت کے متعلق بعض کوائف اور اپنی تقریر کے کچھ اہم نکات آج کی اس نشست میں پیش کروں تاکہ غلط فہمیوں کو پھیلنے کی راہ کچھ مسدود ہو سکے — مجھے اعتراف ہے کہ جب مجھے اس علماء کنونشن میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو مجھے حیرت ہوئی تھی چونکہ حقیقت یہ ہے کہ میرا کسی اعتبار سے بھی علماء میں شمار نہیں ہوتا۔ اس سے قبل اس قسم کے کسی اجتماع میں مجھے شرکت کا دعوت نامہ نہیں ملا تھا۔ میرا پہلا احساس یہ تھا کہ شاید غلطی سے دعوت نامہ میرے نام جاری ہو گیا ہے۔ پھر چونکہ اس دعوت نامے کی موصولی سے بہت عرصے قبل ۲۲ ؍ اگست کی شب کو امریکہ کے لئے میری روانگی طے ہو چکی تھی لہٰذا اس سبب سے اس کنونشن میں میری شرکت ممکن نہیں تھی چنانچہ میں نے معذرت کر دی۔ لیکن اعلیٰ حلقوں سے فون پر اصرار ہوا کہ اگر کنونشن میں شرکت ممکن نہیں ہے تو تم اُس مجلسِ مشاورت میں شرکت کرو جو کنونشن سے دو روز قبل اسلام آباد میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس مجلس مشاورت میں چار حضرات بلائے گئے تھے۔ جن میں میرا نام بھی شامل تھا۔ مجھے اس میں شرکت پر بھی تردّد تھا۔ چونکہ میں اس سے قبل کسی ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوا تھا جو حکومت کی سطح پر منعقد ہوئی ہو۔ لیکن جب اصرار بڑھا تو میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے شرکت کی حامی بھر لی اور اسلام آباد چلا گیا — مشاورت میں محترم صدرِ مملکت بنفس نفیس شریک ہوئے۔ مشاورت کی ۱۷-۱۸ ؍ اگست کو متعدد نشستوں میں نہایت بے تکلفانہ ماحول میں مختلف مسائل پر کھلے دل اور صاف ذہن کے ساتھ بہت مفید گفتگو ہوئی۔ شرکاء میں سے ہر ایک نے پورے اخلاص، دردمندی اور کسی ذہنی تحفظ کے بغیر حالات کے متعلق اپنے تجربات، مشاہدات، تاثرات، تنقیدیں اور تجزیے پیش کئے۔ اور آئندہ اقدامات کے سلسلہ میں تجاویز اور مشورے بھی محترم صدرِ پاکستان کے سامنے رکھے۔ صدر صاحب

سنے پورے غور و خوص، توجہ اور خندہ پیشانی سے ان تمام امور کو سنا ــ مشاورت کے
بعد صدر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو امریکہ کب جانا ہے ؟ میں نے کہا ۲۲ راگست
کی شب کو کراچی سے روانگی ہونی ہے تو انہوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسی صورت
میں آپ کو کنونشن میں ضرور شرکت کرنی ہوگی ۔ آپ کو امریکہ کی فلائٹ پکڑنے کیلئے
۲۲ تاریخ کو کراچی پہنچانے کا خصوصی انتظام کر دیا جائے گا ۔ میں نے صدر صاحب کا ان
کی اس پیش کش پر شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ کراچی جانے کا میں خود انتظام کروں گا
البتہ آپکے حکم کی تعمیل میں کنونشن میں شرکت کروں گا ۔ چنانچہ میں لاہور واپس آیا
اور امریکہ کے سفر کے سامان کے ساتھ ۲۰ راگست کی شب کو دوبارہ اسلام آباد پہنچ گیا۔
کنونشن کے لئے تین موضوعات (ISSUES) مقرر کئے گئے تھے اور
شرکاء میں سے ہر شخص کو آزادی تھی کہ وہ جس موضوع پر چاہے اظہار خیال کر سکتا ہے۔
میں نے اظہار خیال کے لئے پہلا موضوع " اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی اختلاف"
منتخب کیا ــ مجھے چند مقتدر شخصیتوں کی طرف سے بھی اس موضوع پر بولنے کا مشورہ
دیا گیا تھا ــ اس کنونشن میں ملک کے ہر گوشے سے ہر فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے
ڈھائی تین سو کے لگ بھگ علماء و فضلاء شریک تھے ــ جن میں وہ حضرات بھی تھے
جن کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے ــ ایسے حضرات کے سامنے ایسے موضوع پر زبان کھولنا جو نہایت
ہی نازک اور حساس (TOUCHY & SENSITIVE) ہو بڑا کٹھن
کام تھا ۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کچھ ہی عرصے پہلے شیعہ
فرقے کی طرف سے زکوٰۃ آرڈیننس کے خلاف اسلام آباد میں ایجی ٹیشن ہوا تھا جس
میں جوش و خروش ہی نہیں دھمکیاں بھی تھیں ۔ پھر یہ کہ جب بھی اسلامی قانون
کے نفاذ کا ہمارے ملک میں سوال اٹھتا ہے تو یہ فقہی اور گروہی اختلافات اس راستے
کے سب سے بھاری پتھر ثابت ہوتے ہیں ۔ میں نے اس موضوع پر پہلے سے کوئی تیاری
نہیں کی تھی ۔ وہیں بیٹھے بیٹھے چند نکات و اشارات لکھ لئے تھے ــ اللہ کا فضل و کرم
کہ اس کی توفیق سے میں اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا اختصار کے ساتھ وہ
بیان ہو گیا ــ میں نے وہاں جو اظہار خیال کیا تھا اس کے بعض اہم نکات اختصار کے
ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں ــ ان کے صحیح و غلط اور درست و نادرست ہونے

کے متعلق آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں

پہلی بات میں نے وہاں یہ عرض کی کہ" ہماری یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم من حیث القوم غیر اسلامی قوانین پر تو راضی رہتے ہیں لیکن جب اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کا مرحلہ آتا ہے تو ہمارے فقہی وگروہی اختلافات بڑی شدت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور شدّ و مد کے ساتھ سوالات اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ کون سا فقہ رائج ہو" — پھر میں نے عرض کیا کہ" یادش بخیر پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء کے آغاز میں سب سے پہلے اس ملک میں اسلامی آئین و دستور کی تدوین اور اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ جماعت اسلامی نے اٹھایا تھا اور جلد ہی اس مطالبے کو ملک گیر سیاسی نوعیت کی تحریک کی شکل دے دی تھی۔ اس کے جواب میں اس وقت جو لوگ اربابِ اقتدار تھے ان میں سے بعض حضرات کی طرف سے جو سب سے بڑا عذر پیش ہوا، وہ یہی تھا کہ کس کا اسلام! کس کا فقہ! کون سے قوانین نافذ کیے جائیں!! سنیوں کا اسلام یا شیعوں کا؟ پھر سُنیوں میں سے بھی دیوبندیوں کا، بریلویوں کا، یا اہل حدیثوں کا؟ اس موضوع پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب اور ڈاکٹر محمود الحسن مرحوم تقریریں کرنے میں پیش پیش تھے حالانکہ ان کی اسلام دوستی مسلّم تھی — ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ یہ مطالبہ قبل از وقت (PREMATURE) ہے - یہاں اس سوال پر کہ کس کا اسلام اور کس کا فقہ تو بڑے جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے - بعد میں بروہی صاحب نے کہا کہ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ قرآن مجید میں کوئی دستور موجود ہے تو میں ان کو انعام دوں گا - یہ ردّ عمل تھا دو باتوں کا — پہلی یہ کہ اسلامی دستور و آئین کی تدوین اور قوانین کے نفاذ کو ایک سیاسی نعرہ بنا دیا گیا تھا، دوسری یہ کہ مختلف فقہی وگروہی مسالک میں کوئی مفاہمت موجود نہیں تھی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہیں تھا" — پھر میں نے عرض کیا کہ" تینتیس ۳۳ سال کے دوران ہم نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اُن حضرات کی دلیل غلط نہیں تھی اور ان کا عذر، محض عذرِ لنگ نہیں تھا بلکہ صحیح اور درست تھا کہ یہاں کس کا اسلام نافذ کیا جائے پھر میں نے عرض کیا کہ" پاکستان بننے کے تقریباً تیس ۳۰ سال بعد" نظام مصطفیٰ" کے نام سے جو تحریک چلی تو اس وقت بھی فقہی اختلافات میں یہی شدت موجود تھی کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہیں تھا - حتیٰ کہ جیلوں میں بھی ہر فقہی مسلک سے

علق رکھنے والے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعت کراتے تھے - یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے - ان کا اظہار اخبارات اور رسائل میں ہو چکا ہے،، میں نے مزید عرض کیا کہ عقائد کا معاملہ بعد کی بات ہے یہاں تو فقہی اختلافات اتنے شدید ہیں کہ ایک دوسرے کو کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں - عقائد کا تعلق قانون سے نہیں ہے - ان کا نفاذ نہیں ہوتا - ان کا دائرہ قلب، ذہن اور فکر و نظر ہے - لیکن فقہ کا تعلق قانون سے ہے اور قانون نافذ ہوتا ہے - جس کے مطابق مشاجرات، مناقشات، تنازعات اور معاملات فیصل اور طے ہوتے ہیں - اور کسی ملک میں بھی دو قانون نہیں چل سکتے، قانون تو صرف ایک ہی نافذ ہو سکتا ہے - اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جو اس مخمصے سے نجات دلا دے اور یہ حل موجود ہے جو میں آگے بیان کروں گا -،،

دوسری بات میں نے یہ عرض کی کہ" قومی اعتبار سے یہ ایک المیہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے وقت جو جوش و خروش تھا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو ساز گار فضا موجود تھی - لوگوں کے دلوں میں گداز اور تری تھی - جو لوگ منقسم ہندوستان میں آگ اور خون کے دریا سے گزر کر لٹے پٹے اور تباہ و برباد حالت میں پاکستان پہنچے تھے - ان کو پاکستان تک پہنچنے کے لئے جان و مال اور اپنی خواتین کی عصمت و عفت کی جو قربانیاں دینی پڑی تھیں - سکھوں اور ہندوؤں کے جن انسانیت سوز مظالم اور بربریت سے سابقہ پیش آتا تھا، ان تمام باتوں نے مل جل کر ان کے دلوں میں اسلامی نظام و قوانین پر کاربند ہونے کا ایک شدید داعیہ بیدار کر دیا تھا - پھر پاکستان کے بسنے والوں نے جب ان تباہ حال بھائیوں کی پذیرائی کی، ان کی حالتِ زار کا سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ان کے مصائب کی داستانیں سنیں تو ان کی آنکھیں ہی نہیں دل بھی خون کے آنسو رو رہے تھے ان کے دل شق تھے اور ان میں بھی یہ داعیہ ابھر چکا تھا کہ اب وہ اسلام کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں گے اس وقت ایک جوش تھا پوری فضا اور پورا ماحول اس نعرے سے گونجی ہوئی تھی کہ " پاکستان کا مطلب کیا - لا الٰہ الا اللہ - لوگ اس وقت اسلام کو بطور نظام زندگی قبول کرنے کے لئے تیار تھے - لیکن ہوا کیا ؟ واحسرتا کہ قومی قیادت نے یہ سنہری موقع ضائع کر دیا - چاہیئے تو یہ تھا کہ حکومت خود اپنے طور پر اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے پیش قدمی کرتی اور پاکستان

کے قابلِ اعتماد اور جدید علماء کا فوری طور پر ایک بورڈ تشکیل کرتی اور ان کو دعوت دیتی کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور فقہی اختلافات کا کوئی ایسا حل تلاش کریں جو تمام مسالک کے پیروں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ میں کسی فردِ واحد کو الزام نہیں دیتا چونکہ قیادت ایک ٹیم کا نام ہوتا ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اور آگے کروں گا اس سے محض امرِ واقعہ کا اظہار مقصود ہے ــ ہوا یہ کہ ایک طرف تو غلطی یہ ہوئی کہ گفت و شنید، افہام و تفہیم اور نصیحت و موعظت سے اربابِ اختیار کو اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کی تنفیذ کی دعوت دینے اور اپنا تعاون پیش کرنے کے بجائے اس کو ایک سیاسی نعرے کی صورت میں بطور تحریک اٹھا دیا گیا اور اس وقت کی قیادت پر تیز و تند تنقیدوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ نیز ساتھ ہی ساتھ تبدیلی قیادت کا مطالبہ کر دیا گیا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ مسلم لیگ کی صفوں میں اتحاد قائم نہ رہا۔ ان میں اختلافات اور تفرقے ہوئے ایک مسلم لیگ میں سے کئی مسلم لیگیں وجود میں آگئیں اور ایک دوسرے سے دست بگریباں ہوگئیں۔ نتیجۃً صرف قراردادِ مقاصد منظور کرنے کے علاوہ ملک میں اسلامی قوانین کی تدوین کے میدان میں کوئی قابلِ ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کی باہمی کشمکش اور آئے دن اسمبلی کے ممبران کے پارٹیاں بدلنے کی وجہ سے وزارتِ عظمٰی میں جلد جلد تبدیلیاں ہونے لگیں جو ایک طرف مرکزی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا باعث ہوئیں تو دوسری طرف عوام میں سیاسی لیڈروں پر سے اعتماد متزلزل کرنے کا بھی سبب بنیں۔ اس کے نتیجے میں پہلا مارشل لاء آیا سیاسی عمل رک گیا۔ سارا جوش و خروش ختم ہو گیا دلولے سرد پڑ گئے۔

تیسری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک اصلاً تو ایک جابر حکمران کے خلاف شروع ہوئی تھی جس نے جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر بدترین قسم کی آمریت قائم کر رکھی تھی اور عام انتخابات میں لامحدود دھاندلیاں کی تھیں۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن کے لوگ بھی شامل تھے اور لیفٹسٹ بھی ــ اس تحریک میں ہمہ گیری اُس وقت آئی، جب اس میں مذہبی نعرہ "نظامِ مصطفٰے" کا شامل کیا گیا ــ اس نعرے کی وجہ سے تحریک ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل

گئی - اور لوگوں کا جوش و خروش قیام پاکستان کی تحریک سے بھی زیادہ نظر آیا۔ پھر کوئی تشدد اس جذبے پر قابو نہ پا سکا۔ جن لوگوں نے سینوں پر گولیاں کھائیں انہوں نے جمہوریت کے نام پر جانیں قربان نہیں کیں، ایسے لوگ آگے نظر نہیں آئے - بلکہ گولیاں کھانے والوں نے کلمہ کے نام پر لا الٰہ الا اللہ - محمد رسول اللہ کے نام پر گولیاں کھائیں اور ہر نوع کا تشدد انگیز کیا -" میں نے اس موقع پر صدر پاکستان کو مخاطب ہو کر کہا کہ " صدر صاحب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ آپنے بہت سنہری موقعہ ہاتھ سے کھو دیا - جب آپنے زمام اقتدار سنبھالی تھی تو قوم میں جوش و خروش اپنے عروج پر تھا - پوری آمادگی موجود تھی اگر آپ اس وقت جرأتِ مومنانہ سے کام لے کر اسلامی نظام اور قوانین کی تنفید کے لئے ٹھوس اور مثبت اقدام کرتے تو قوم ذہناً اس کو قبول کرنے کے لئے تیار تھی - لیکن آپنے بھی وہی غلطی کی جو ہماری پہلی قیادت نے کی تھی -" میں نے صدر صاحب کو مزید مخاطب کرتے ہوئے کہا - " محترم صدر صاحب! میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی، ملک کی، اور دین کی خیر خواہی میں عرض کر رہا ہوں کہ آپ اس وقت GRACE PERIOD پر ہیں - اب بھی آپنے جرأتِ مومنانہ سے قدم نہیں اٹھایا اور کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کیا تو جان لیجئے کہ یہ مہلت جلد ختم ہو سکتی ہے - معاملہ آپ کی ذات کا نہیں ہے معاملہ ملک کی سلامتی، بقا اور استحکام کا ہے - اشخاص آتے ہیں چلے جاتے ہیں - بڑے بڑے پھنے خاں آئے اور چلے گئے - بڑے بڑے لیڈر آئے - بڑے بڑے بارعب لوگ آئے اور ان کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان کو ہلایا جا سکتا ہے ——— ایوب خاں مرحوم کا تصور کیجئے ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۴ء کا ایوب خان ــ ۱۹۶۸ء میں پہلی دفعہ جنبش ہوئی عید الفطر کے چاند کے موقع پر جھگڑا ہوا - پھر اسی سال کے اواخر میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی کتاب کے خلاف جو مہم چلی اس کے بعد تو جنبشوں کا وہ سلسلہ چلا کہ سارا رعب اور سارا دبدبہ ختم، اور قصر اقتدار زمین بوس ہو گیا - پس معاملہ اشخاص کا نہیں، قوم اور ملک کا ہوتا ہے۔"

پھر میں نے عرض کیا کہ "پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اسلام کے سوا اس کے قیام کی کوئی اور اساس اور جواز ہے - اس

لئے اس ملک کے قیام" بقا اور استحکام کی اصل بنیاد اسلام صرف اسلام ہے ۔جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک مصنوعی ملک معلوم ہوتا ہے ۔ بھارت کے ساتھ ہماری کوئی مستقل جغرافیائی سرحدیں نہیں ہیں ۔ وہ حدیں موجود نہیں جو فطری (NATURAL BOUNDRIES –) کہلاتی ہیں اگر کوئی فطری سرحد ہے تو وہ افغانستان کے ساتھ ہے ۔بھارت کے ساتھ ہماری

سرحدوں کا یہ حال ہے کہ اگر تار کھنچے نہ ہوں تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ پاکستان کہاں ختم ہوا اور کہاں سے بھارت شروع ہوا ۔ پس معلوم ہوا کہ پاکستان کا قیام جغرافیائی حدود کا رہینِ منت نہیں بلکہ اس کے قیام کی واحد اساس صرف اسلام ہے لہٰذا اس کی بقا اور استحکام کا دار و مدار بھی اسلام کے حقیقی و عملی نفاذ پر ہے ۔ اگر اس کی طرف کوئی فیصلہ کن پیش قدمی اب بھی نہیں ہوئی تو جان لیجئے کہ اس ملک کی سلامتی مشکوک ہے ۔آدھے سے زیادہ پاکستان تو علیحدہ ہو چکا اور حال یہ ہے کہ اس کا نام بھی بدل گیا ۔مشرقی پاکستان کے نام سے بھی علیحدگی ہو سکتی تھی اور اس نام سے بھی ایک آزاد و خود مختار سلطنت وجود میں آ سکتی تھی ۔آخر دنیا میں مشرقی و مغربی اور شمالی و جنوبی اضافت کے ساتھ ایک ہی نام کے کئی ملک موجود ہیں ۔اس ملک کو جو خطرات درپیش ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ ہمارے اس پاکستان کو جو خطرات لاحق ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ ملک کی سب سے مقتدر شخصیت نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کسی طرف سے ٹینکوں کی آمد کے منتظر ہیں ۔ اندرونی فضا یہ ہے اور باہر سے جو خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں ، وہ ہمارے سامنے ہیں ۔ بھارت کے حالات جس طریقے سے پلٹا کھا رہے ہیں اور وہاں جو منظم طریقے پر مسلم کش فسادات کا سلسلہ چل نکلا ہے ۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہے ۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے ، بلا سبب نہیں ہو رہا ۔ اس کے پیچھے کوئی منصوبہ کارفرما ہے ۔ اس سال فروری میں مجھے بھارت جانے کا اتفاق ہوا تھا اس وقت کے اور آج کے حالات میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے ۔"

پھر میں نے عرض کیا کہ "خطرات اپنی جگہ موجود ہیں ، ان حالات میں ہمارے

اوپر پہلے سے بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم خدا اور خلق کے سامنے کئے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے فیصلہ کن طریقے سے پیش قدمی کریں کہ "پاکستان کا مطلب کیا - لآ اِلٰہ اِلا اللّٰہ

اسلامی نظام کا نفاذ کیسے ہو

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ "اگر واقعۃً" محمد ضیاء الحق صاحب اور ان کے رفقاءِ کار اس ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں — رفقاء کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ وہ اکیلے نہیں، ان کے ساتھی بھی ہیں، ایک ٹیم ورک ہو رہا ہے — تو اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے!— یہ صحیح ہے کہ ان کو شدید فقہی اختلافات اور تفرقے سے سابقہ پیش آیا ہے ۔ جس کی وجہ سے جو چند چھوٹے چھوٹے اقدامات کئے گئے تھے، وہ بھی بنیادی طور پر بے اثر (NUL AND VOID) ہو گئے ہیں ۔ پھر یہ کہ ایسے اختلافات آئندہ بھی ہوتے رہیں گے ۔ ان سے مستقل طور پر عہدہ برا ہونے کا طریقہ کیا ہے ؟ تو اس کے متعلق میں حسبِ ذیل معروضات اربابِ اقتدار اور آپ تمام علماء و فضلاء کے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہوں "

میں نے عرض کیا کہ "ملکی قانون (PUBLIC LAW AND LAW OF THE LAND) اور شخصی قانون (PERSONAL LAW) میں واضح طور پر تقسیم ہونی چاہیئے ۔ یہ تقسیم دنیا کے ہر ملک میں ہوتی ہے ۔ ملکی قانون

(LAW OF THE LAND ——) ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے - البتہ مختلف گروہوں کے لئے ان کے نظریات کے مطابق مختلف شخصی قانون (PERSONAL LAW) میں گنجائش رکھی جانی چاہیئے - پرسنل لا میں دو امور خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں - ایک "عبادات"، دوسرے "مناکحات" - نماز کوئی ہاتھ باندھ کر پڑھے کوئی ہاتھ چھوڑ کر - کوئی رفع یدین کرے کوئی نہ کرے کسی کے نزدیک غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ افطار کرنا ضروری ہے اور کسی کے نزدیک غروب کے چند منٹ بعد ایسے تمام تعبدی امور پر کسی کی طرف سے کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی کوئی ملکی قانون نہیں بن سکتا کہ تعبدی امور اس طور پر انجام دیئے ہوں گے - عبادات میں پوری آزادی ہونی چاہیئے - اس معاملہ میں انسان بڑا حساس ہوتا ہے - فرض کیجیئے کہ ایسا قانون بنا دیا جائے کہ تمام مسلمان غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ لازماً افطار کریں تو جس شیعہ کے نزدیک افطار کا صحیح وقت غروب کے چھ سات منٹ بعد ہے تو اس قانون کی رو سے اس کا روزہ غلط وقت پر کھلوا دیا گیا تو اس کی تو سترہ اٹھارہ گھنٹے کی محنت بلکہ عبادت ضائع اور برباد ہو گئی - کہنے کو تو چند منٹ کا فرق ہے، لیکن اس سے بڑا عظیم فرق واقع ہوتا ہے - اسی بات کو سُنّیوں پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے - جن کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد افطار میں تاخیر سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے - لہٰذا ایسے تمام امور میں پرسنل لا کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہیئے - اسی طریقے سے "مناکحات" یعنی نکاح و طلاق کے معاملات میں ان سب کو تسلیم (ACKNOWLEGE ——) کرنا چاہیئے اور ان سب کو کھلی چھوٹ دی جانی چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے مسالک کے مطابق عمل پیرا ہوں - اُن پر کوئی پابندی نہ ہو - چونکہ یہ معاملات پرسنل لا سے متعلق ہیں ان پر ملکی قانون میں کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی - ملکی قانون قرآن و سنت کے وسیع اصولوں پر مبنی ہو - جس میں اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، التزام صوم و احترام رمضان ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہو — اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط - ہر تارک صلوٰۃ، ہر

مانع زکوٰۃ، ہر تارکِ صوم ملکی قانون میں قابلِ تعزیر ہو ۔ اسی طرح سود، شراب قمار بازی اور دوسرے فواحش ملکی قانون کے مطابق حرام ہوں گے ۔ کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہ ہوگی ۔ میں نے بطور مثال چند باتیں عرض کی ہیں ۔ اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ملکی قانون (LAW OF THE LAND) کن وسیع تر اصولوں پر مبنی ہونا چاہیئے "

میں نے یہ بھی تجویز کیا کہ " پرسنل لا کی نگرانی کے لئے ہر مسلک کے علماء کے علیحدہ علیحدہ بورڈ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ ہر مسلک کی مساجد اور اوقاف ان بورڈز کے زیر نگرانی دیئے جانے چاہئیں ۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ سنّی، دیوبندی یا بریلوی یا اہل حدیث اور کوئی شیعہ کوئی جائیداد وقف کرتا ہے یا ٹرسٹ قائم کرتا ہے تو اس کی آمدنی اسکے مسلک کے مطابق ہی صرف ہونی چاہیئے تاکہ واقف کی منشا پوری ہو ۔ یہ تو ناانصافی ہوگی کہ ایک خاص مسلک رکھنے والے واقف کی وقف شدہ آمدنی دوسرے مسلک کے سلسلے میں خرچ ہو ۔ جیسے فرض کیجیئے کہ کوئی شخص مسجد بناتا ہے ۔ ہمارے ہاں پہلے یہی ہوتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنی جیب خاص سے مسجد بناتا تھا وُہی متولی ہوتا تھا ۔ یہ چندے جمع کرکے مسجد بنانا تو دورِ حاضر کی بدعت ہے ۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مسجد کے لئے چندہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے ۔ بہت کثیر تعداد ہمارے ان آئمہ فقہا کی ہے جنہوں نے صدقات، زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کی رقوم سے بھی تعمیر مساجد کو ناجائز قرار دیا ہے ۔ بہرحال مسجد جس مسلک کے شخص یا اشخاص نے بنائی ہے اور اس کے لئے کوئی جائیداد بھی وقف کی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسجد کا انتظام و انصرام مسجد بنانے والوں کے مسلک کے مطابق چلایا جانا چاہیئے ۔ یہ ظلم ہے زیادتی ہے کہ مسجد بنائیں کسی مسلک والے اور اس پر قابض ہوجائیں دوسرے مسلک والے ۔ اسی سے تفرقے پیدا ہوتے ہیں ۔ اختلافات شدت سے ابھرتے ہیں فسادات کی شکل اختیار کرلیتے ہیں یہ غلط طریقہ بند ہونا چاہیئے ۔ میری بھی یہ دلی آرزو ہے کہ فقہی اختلافات ختم ہوں ۔ آئیڈیل صورت یہی ہونی چاہیئے ۔ لیکن امر واقعہ سے آنکھیں بند کرنا عقل مندی نہیں ۔ میں ہزار چاہوں ۔ لاکھ سر پٹک لوں اور مجھے دس زندگیاں مل جائیں تو بھی یہ ختم ہونے والے نہیں ۔ ان کی بڑی طویل تاریخ ہے ۔ ہمارے بڑے

بڑے ائمہ گزر گئے ان سے ختم نہیں ہوئے تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں - لہٰذا ان کا ختم کرنا ممکن نہیں ان کو تسلیم کرنا ہوگا - البتہ تعلیم و تفہیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کو حدِ اعتدال میں رکھنے کی سعی بلیغ ہوتی رہنی ضروری ہے - ہمارے علماء و مشائخ کو بھی چاہیئے کہ قسط اور عدل کو پیش نظر رکھیں اور رواداری اختیار کریں - ہمارے ہاں جو متشدّدانہ رویہ ہے کہ کوئی دوسرے مسلک کا سنّی ہی مسجد میں آجائے تو ماتھے پر بل آجاتے ہیں - اس کو تبدیل ہونا چاہیئے - ہر مسجد میں ہر مسلک کے نمازی کو نماز ادا کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے البتہ انتظام و نظم (امامت و خطابت) جس مسلک کی مسجد ہو اسی مسلک والوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے -

میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ " اب جب بھی اس ملک میں باقاعدہ مردم شماری (CENSUS ———) ہو تو لوگوں سے ان کا فرقہ اور مسلک ساتھ ہی لکھوالیا جائے تو کوئی ہرج نہیں بلکہ یہ مفید ہوگا - دین کے بطور مسلمان یا اسلام لکھوائیں اور مسلک کے طور پر شیعہ، سنّی لکھوالیا جائے پھر سنیوں کے مختلف مکاتبِ فکر کے لئے بھی اندراج کا ایک خانہ رکھا جاسکتا ہے - تاکہ معین ہو جائے کہ ہمارے ہاں جو دو بڑے فرقے شیعہ اور سنّی ہیں - ان کا تناسب آبادی دراصل ہے کیا ؟ کون کتنے فیصد ہے تاکہ اس ضمن میں حکومت کو یہ مدد ملے کہ وہ حکومت کے محکموں میں ملازمت، علماء کے بورڈ کی تشکیل، مالی گرانٹ اور دوسری مراعات میں آبادی کے تناسب کو پیش نظر رکھا جاسکے - کسی کے لئے وجہ شکایت (HEART BURNING ———) نہ ہو - ہر فرقے اور ہر مکتبِ فکر اور مسلک کے مدارس ان کی مساجد، ان کے معاملات ان کا انتظام و انصرام ان کے علماء کے بورڈ بنا کر ان کے حوالے کر دیجئے - یہ بورڈ حکومت کی زیرِ سرپرستی اور زیرِ نگرانی تفویض کردہ ذمہ داریاں ادا کریں - اس طرح بہت سے اختلافات اور شکر رنجیاں ختم ہو جائیں گی اور روز بروز کے یہ قضیئے، تنازعات اور اختلافات حکومت کیلئے دردِ سر نہیں بنیں گے ——— نیز غیر مسلم اقلیتوں کا تناسب بھی صحیح طور پر آجائے گا - قادیانی (لاہوری گروہ سمیت) اسی زمرے میں شمار ہوں گے -

میں نے ملکی قانون کے متعلق یہ عرض کیا کہ " پبلک قانون یا ملکی قانون

(PUBLIC LAW & LAW OF THE LAND.) کے بارے میں یہ اصول اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی اساس کسی فقہ پر نہیں ہوگی بلکہ اس کی اساساتِ اصلیہ صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہیں - اہل سنت کی تمام فقہیں ہماری اپنی ہیں - سب قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں - فرق راجح اور مرجوح یا افضل و مفضول کا ہے یا تعبیر ورائے اور قیاس کا — کوئی مخصوص فقہ یہاں نافذ نہیں کی جاسکتی چاہے وہ فقہ حنفی ہو، فقہ مالکی ہو، فقہ شافعی ہو، فقہ حنبلی ہو چاہے وہ مسلکِ اہل حدیث ہو — اصل اور بنیاد ہمارے لئے - کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے - یہی آخری حُجت ہے تمام معاملات کے لئے ان اساساتِ اصلیہ کی طرف رجوع کیا جاتے گا اور جو بات بھی اس کے مطابق ہوگی یا اس سے استنباط میں اقرب ہوگی اور جسے قانون ساز ادارہ یا عدالتِ عالیہ میں ڈلائل سے منوالیا جائے گا اُسی کو ملکی قانون کا مقام حاصل ہوگا - خلقِ قرآن کے مسئلے میں امام احمد بن حنبل رحؒ نے جو بات کہی تھی تو یہی کہ "ایتونی بشیءٍ من کتاب اللہ و سنت رسولہ حتیٰ اقول" لاؤ میرے پاس کوئی چیز اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنّت سے تب میں کوئی بات کہہ سکوں گا" - ہمارے ہر دستور میں بھی ہمیشہ سے یہ بات لکھی جاتی رہی ہے اور ۷۳ئہ کے دستور میں بھی موجود ہے کہ (ایسی NO LEGISLATION WILL BE DONE REPEGNANT TO THE QURAN AND THE SUNNAH ——) کوئی قانون سازی نہیں کی جاتے گی جو قرآن و سُنت کے خلاف ہو -" فی الحال یہ دفعہ رہنما اصول میں درج ہے اس کو فی الفور - OPERATIVE CLAUSE) میں شامل ہونا چاہیئے — اس دفعہ میں کسی فقہ اور کسی مسلک کا تعین نہیں ہے - اس میں تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دین نام ہے قرآن و سنت کی پابندی کا —— لہٰذا ملک کا قانون (—— LAW OF THE LAND) ان ہی دو بنیادوں پہ تشکیل پائے گا اور نافذ ہوگا ہمارے کلمۂ شہادت کے دو اجزا ہیں - پہلا توحید کا اقرار : لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور دوسرا رسالت کا اقرار : محمد رسُول اللّٰہ — اس میں کسی فقہ کا اقرار شامل نہیں ملکی قانون کے دو شعبے ہیں - ایک فوجداری یعنی تعزیرات اور حدود کا قانون — دوسرا دیوانی - یعنی تجارت لین دین اور اسی نوع

کے دیگر معاملات کا قانون — یہ شعبے (LAW OF THE LAND —) سے متعلق ہیں اور یہ ہر پاکستانی کے لئے یکساں مؤثر ہوں گے۔ سب پر ان کا اطلاق ہوگا، چاہئے وہ کسی فرقے یا کسی فقہی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ یہ پاکستان میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے لئے بھی اور ان غیر ملکیوں پر بھی نافذ ہوں گے جو پاکستان میں ان قوانین کے تحت کسی جرم کے مرتکب ہوں گے"۔ خود غور فرمائیے کہ کوئی چور یہ کہے کہ ٹھیک ہے مجھ پر چوری کا جرم ثابت ہوگیا لیکن میں چونکہ فلاں فرقے یا فلاں فقہی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور اس میں چور کے لئے قطع ید نہیں بلکہ انگلی کاٹنے کی سزا ہے لہٰذا ہاتھ کے بجائے میری انگلی کاٹی جائے یہ ممکن نہیں۔ تعزیر کسی فرقے یا فقہی مسلک کے مطابق عائد نہیں ہوگی بلکہ کتاب و سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ ملک میں جو بھی قانون رائج ہوگا وہ سب پر لاگو ہوگا۔ یہی صورتِ حال سول لاء میں اختیار کی جائے گی اور تمام معاملات ملکی قانون کے مطابق فیصل ہوں گے۔ کسی کو یہ کہنے کا نہیں حق ہوگا کہ یہ معاملہ ہماری فقہ کے مطابق طے ہو۔"

اس ضمن میں، میں نے مزید عرض کیا کہ "میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے فقہی اور فرقہ دارانہ اختلافات اس طریق کو اختیار کرنے سے احسن طور پر حل ہو سکتے ہیں کہ پرسنل لاء میں ہر فرقے اور ہر فقہی مکتبِ فکر کو مکمل آزادی اور کھلی چھوٹ ملنی چاہئے کہ وہ "عبادات" اور "مناکحات" اپنے اپنے مسالک کے مطابق انجام دے سکتے ہیں۔ ہر مسلک کے لئے حکومت علماء کے بورڈ بنائے اور ہر مسلک کے مدارس، مساجد، معابد اور اوقاف کا انتظام و انصرام ان کے سپرد کرے اور ان پر اپنی نگرانی رکھے یہی مراعات غیر مسلم اقلیتوں کو بھی ملنی چاہئیں — ملکی قانون (LAW OF THE LAND) قرآن و سنت پر مبنی ہو — اس کا بلا امتیاز ہر پاکستانی پر اطلاق ہو۔ عدالتوں کو اختیار دیا جائے کہ فی الوقت جاری قوانین میں سے ان قوانین کو منسوخ (NUL AND VOID —) کر دے، جن کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیا جائے کہ وہ کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جو نیا قانون بنے وہ چاہے کسی مجاز قانون ساز ادارے نے بنایا ہو یا کسی مجاز حاکم (AUTHORITY—) نے بطور فرمان (ORDINANCE —) نافذ کیا ہو۔ عدالتوں میں اس قانون کو

بھی اس بنیاد پر چیلنج کرنے کا حق ہونا چاہیئے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے منافی ہے یا اس میں خامی ہے اور علماء و فضلا کو حق حاصل ہو کہ وہ اس کو ثابت کریں وہ استشہاد اور نظائر کے طور پر مستند آئمہ و فقہا کی آراء، قیاسات تعبیرات اور استنباط پیش کرنے کے مجاز ہوں پھر عدالتوں کو اس بات میں فیصلوں کا اختیار ہو، اس طرح عدالتوں میں ہر فقہ کے لئے یہ موقع فراہم ہو جائے گا کہ جس، فقہ کا کوئی فتویٰ اقرب الی القرآن والسنہ ہوا، وہی ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ ہو سکے گا۔ ایسے معاملات کے فیصل کی مجاز کونسی عدالتیں ہوں ؟ ان کے لئے شرعی بنچیں قائم ہوں یا یہ کام ہائی کورٹس کے سپرد کیا جائے ؟ یہ انتظامی معاملہ ہے اس کو مشاورت اور افہام و تفہیم سے طے کیا جاسکتا ہے البتہ سپریم کورٹ کو سب سے بلند عدالت (عدالتِ عالیہ) قرار دے کر آخری قطعی اور حتمی فیصلہ کرنے کا حق اس کو تفویض ہونا چاہیئے۔

میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا کہ "عموماً یہ ہوتا چلا آرہا ہے کہ جو لوگ برسرِ اقتدار آئے۔ انہوں نے اُس ذمہ داری کو محسوس ہی نہیں کیا جو ان کے دین کی طرف سے اُن پر عاید ہوتی تھی۔ ایسے لوگوں کو سب سے زیادہ فکر لاحق رہی کہ کرسی کا تحفظ کس طرح کیا جائے اور اپنے اقتدار کو کس طور پر قائم، باقی اور جاری رکھا جائے۔ وہ کچھ اِدھر کے کچھ اُدھر کے علماء کی تائید اور تعاون (SUPPORT) حاصل کرتے رہے۔ پھر سب لوگوں کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کی پالیسی اختیار کرتے رہے ———

——— ب اگر اللہ تعالےٰ ایک ایسے شخص کو اقتدار سنبھالنے کا موقع دیتا ہے جو دل سے اسلام کا دلدادہ و شیدا ہے اور اسلام کو حقیقی طور پر ایک نظام زندگی کی حیثیت سے نافذ کرنے کا خواہش مند ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف رضائے الٰہی کو سامنے رکھ کر یہ عزم کرے کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے جو موقع عنایت کیا ہے میں اُسے اپنا دینی فرض ادا کرنے کے لئے استعمال کروں گا مجھے یہ کام کرنا ہے کسی کو کیا پسند ہے کیا نہیں ؟ ۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ۔ مجھے فکر ہے تو اللہ تعالےٰ کے ہاں محاسبے اور جواب دہی کی فکر ہے ۔ مجھے تو ہر حال میں اس سلطنت خداداد میں اسلام نافذ

کرنا ہے - قرآن وسُنّت والا اسلام - میں رہوں یا نہ رہوں - میں رہوں گا تو اسلام کے ساتھ رہوں گا - ورنہ نہیں رہوں گا - اسلام کے نفاذ کی کوشش میں مجھے اگر اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں اس کے لئے تیار ہوں - جس شخص میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے، وہ واقعتہً کچھ کر سکتا ہے - اگر نہ کر سکے اور اقتدار سے ہٹا دیا جائے تو بھی ان شاءاللہ وہ اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو گا -

میں نے عرض کیا کہ جو محمد ضیاء الحق صاحب کو اللہ تعالےٰ نے یہ موقع عطا کیا ہوا ہے - میں تو یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بھٹو کو بھی اللہ تعالےٰ نے بہت بڑا موقع دیا تھا وہ تاریخ کے اندر ایک عظیم شخصیت بن کر ابھر سکتا تھا وہ ماؤ زے تُنگ سے بھی بڑی شخصیت کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ جاوید مقام حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ اس کا اہل ثابت نہ ہو سکا (HE COULD NOT PROVE EQUAL TO THE TASK -) اب اللہ تعالےٰ نے جنرل صاحب آپ کو موقع دیا ہے گو بہت سا وقت لیت ولعل میں گزر چکا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی موقع ہے اب بھی بہت کچھ کیا جا سکتا ہے - جرات مندانہ قدم اٹھائیں اور اسلام کے نفاذ کے مثبت اقدامات کریں - کام اگر ہو گا تو عزم مصمم سے ہو گا - نیم دلانہ (HALF HEARTED-) انداز سے یہ کام نہیں ہو گا - نہ اس طور پر ہو گا کہ قدم اٹھایا اور پھر اس اندیشے سے واپس لے لیا یا تعویق میں ڈال دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے - یہ انداز انجام کار کے لحاظ انتہائی غلط ہے - مجھے نہ اپنی فکر ہے نہ ضیاء الحق صاحب کی - مجھے فکر ہے تو اس ملک کی فکر ہے ؏

اے آندھیو! سنبھل کے چلو اس جہان میں
اُمید کے چراغ جلاتے ہوئے ہیں ہم

یہ وہ ملک ہے جو بڑی امیدوں کے ساتھ بنایا گیا تھا - جس کے لئے ہم نے بڑے اونچے نعرے لگائے تھے بلند بانگ دعوے کئے تھے - اس کے لئے ہماری قوم نے ناقابل فراموش قربانیاں دی تھیں - ہم اس ملک کو دورِ جدید اور زمانۂ حاضر میں اسلام کی ایک تجربہ گاہ بنانے کا عزم لے کر چلے تھے - نوعِ انسانی کو ہدایت کا روشن مینار دکھانے کے لئے ہم کھڑے ہوئے تھے - ان امنگوں اور ان ارادوں کے ساتھ یہ

ملک وجود میں آیا تھا

چونکہ اس کے وجود و بقا کے لئے بنیاد اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اسلام کے عملی نفاذ میں کوتاہی اور ٹال مٹول کرنے کی پاداش میں ملک دولخت ہو چکا ہے۔ ایک بڑا حصہ ہم سے علیحدہ ہو چکا ہے۔ یہی کوتاہیاں جاری رہیں تو خدا ہی جانتا ہے کہ آئندہ پردہ غیب سے کیا کچھ ظہور میں آئے گا۔

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ "صدر صاحب نے اپنے طور پر کافی کچھ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی مضبوط منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوا۔ لہٰذا جو بھی اقدامات اب تک کئے گئے ہیں وہ کچھ زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قانون بنایا گیا تو ساتھ ہی یہ پابندی (RESTRICTION —) بھی عائد کر دی گئی کہ فلاں قانون یا فلاں شعبے کے معاملات اس کی زد میں نہیں آئیں گے۔ فلاں کو اس سے تحفظ حاصل ہو گا۔ کمال یہ ہے عائلی قوانین کو بھی تحفظ دیا گیا کہ ان کو کسی شریعت بنچ میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ ان پابندیوں کے ہوتے ہوتے کیا غیر شرعی معاملات اسلام کے مطابق درست کئے جا سکیں گے؟ — سود کو فی الحال چھوٹ ملی ہوتی ہے چونکہ کوئی متبادل نظام موجود ہے نہیں اور معیشت کی موجودہ گاڑی اس کے بغیر چلتی نہیں[1] — عائلی قوانین کو بھی تحفظ حاصل رہے گا۔ چونکہ ہماری خواتین کا مغربی تہذیب زدہ طبقہ اس میں شریعت کے مطابق ترمیم و صلاح کے لئے راضی نہیں۔ حالانکہ یہ طبقہ تناسب کے لحاظ سے نہایت قلیل ہے آج ہی اخبارات میں خواتین کانفرنس کا مطالبہ آگیا ہے کہ عائلی قوانین کو نہ چھیڑا جائے۔ یہ جوں کے توں برقرار رہنے چاہئیں۔ ہمارے حقوق کی اسی ذریعہ سے حفاظت ہو گی!"

میں نے وہاں اس طرف بھی توجہ دلائی کہ "حکومت کی طرف سے جو اسپیشل شرعی بنچیں تشکیل دی گئی ہیں، ایک تو ان کا دائرہ عمل و اختیار محدود رکھا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی رائج قانون کو قرآن و سنت کے خلاف سمجھ کر رد کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ ایک منفی عمل ہے۔ قانون تو ہٹا دیا گیا۔ اس خلا کو بھرے گا کون؟ خلا تو نہیں چھوڑا جا سکتا! اس طرح تو بہت سی خرابیاں رونما ہوں گی۔ اس خلا کو آرڈیننس سے بھرا جا سکتا

[1] خدا کا شکر ہے کہ جنرل صاحب کے عہد میں اسلامی بینکاری پر ایک مفصل رپورٹ مرتب کر لی گئی ہے۔ (مرتب)

ہے! لیکن کب تک ؟ ـــ میں نے بر ملا عرض کیا کہ " سیاسی عمل (POLITICAL PROCESS) رُک جانے سے ملک میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے - کوئی نہ کوئی تو مجاز ادارہ ہو جس کو اس قانونی خلا کو پورا کرنے کے لئے رجوع (REFER ـــ) کیا جا سکے اور جو حسبِ ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں مزید قوانین بنا سکے - ایک ایسے مجاز ادارے کی ضرورت ناگزیر ہے "

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ " صدر صاحب بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ میں مستقل نہیں ہوں عارضی ہوں اور میرا کوئی پارٹی بنانے کا ارادہ نہیں ہے - اس بات سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، وہ محض عارضی انتظام ہے ـــــــ ـــــــ ضروری ہے کہ صدر صاحب اور ان کے رفقاء اس پر غور فرمائیں اور کوئی ایسی راہ نکالیں کہ جلد از جلد ایک ایسا مجاز ادارہ وجود میں آئے، جس کو پبلک کا اعتماد حاصل ہو - اور جو قانون سازی کے خلا کو پُر کر سکے -

---

آخری گذارش

حضرات! میں نے وہاں جن خیالات کا اظہار کیا تھا - وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں، الفاظ میں کمی بیشی ضرور ہوئی ہو گی، اسی طرح اظہارِ نکات کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر بھی ہوئی ہو گی چونکہ میں نے اِس وقت اپنی یادداشت سے ان کا اعادہ کیا ہے - البتہ میں یہ ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے کوشش کی ہے کہ سب نکات بیان ہو جائیں ـــ مجھے اندازہ نہیں کہ آپ حضرات کے ان امور کے متعلق تاثرات کیا ہیں ـ البتہ کنونشن میں وقفے کے دوران بعض شرکاء نے میرے خیالات کے متعلق بہت اچھے تاثرات اور تائید و پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا - بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا یہ باتیں تم ہی کہہ سکتے تھے چونکہ تم خالص غیر سیاسی آدمی ہو ـــ واقعہ بھی یہی ہے کہ میں عام مفہوم میں غیر سیاسی آدمی ہوں - میں نے علیٰ وجہ البصیرت اس میدان

کو چھوڑا تھا - میرے لئے مواقع آئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں محفوظ رہا اور میں نے اس راستے کی طرف دیکھا ہی نہیں - میرے سامنے قرآن مجید کے مطالعے سے تجدید احیائے دین اور اسلامی انقلاب کا جو اساسی و بنیادی نہج آیا ہے - بحمد اللہ میں پندرہ سال سے پوری یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن ہمہ وقت اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہوں - اصلاح ہو، انقلاب ہو، اس کی اصل بنیاد دعوتِ عبادتِ ربّ ہے - لوگ واقعی طور پر اللہ کے بندے بنیں - اپنی انفرادی زندگیوں پر اللہ کا دین نافذ کریں - ایسے لوگ جمع ہوں، ان کی تنظیم ہو اور یہ تنظیم ڈھیلی ڈھالی (LOOSE — ASSOCIATION) قسم کی نہ ہو بلکہ سمع و طاعت کی بنیاد پر قائم ہو جو لوگ اس میں شامل ہوں وہ اس میں کھیل یا — HOBBY سمجھ کر نہ آئیں بلکہ تن من دھن کے ساتھ آئیں اور الاقرب فالاقرب کے اصول پر عبادتِ ربّ، شہادت علی الناس اور فریضہ اقامت دین کی دعوت کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں - لوگوں کو اللہ کی کتاب کے اعتصام و تمسک کی دعوت دیں - چونکہ یہی منبع ایمان اور سرچشمۂ ہدایت ہے - یہی کتاب اللہ نبی اکرمؐ کی دعوت کا مرکز و محور تھا یہی ہماری دعوت کا بھی مرکز و محور ہو - ساتھ ہی خود بھی سُنت کے اتباع کا اہتمام کریں اور لوگوں کو بھی تلقین کریں - ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ اور اُسوۂ کاملہ حضورؐ ہی کی ذات ہے -

میں لوگوں کو اسی کام کی طرف بلانے میں لگا ہوا ہوں - میرے نزدیک مسلمان کی نجاتِ اخروی کا یہی راستہ ہے اور فلاح دنیوی کا بھی یہی طریقہ ضامن ہے - یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا - اسلام کے نفاذ کے لئے بنا تھا - لہذا اس کی بقا اس کا استحکام اس کا مستقبل بھی اسلام کے ساتھ وابستہ ہے - جو اس حقیقت سے اختلاف کرے وہ دراصل تاریخ کی حقیقت کو جھٹلا رہا ہے اور سنت اللہ سے اعراض کر رہا ہے — اسلام کا صرف نعرہ کام نہیں دے گا - نعرے بہت لگ چکے ہیں - زبانی جمع خرچ (LIP SERVICE —) اب تک بہت ہو چکا - ان سے کام بن سکتا بیڑا پار ہو سکتا تو اب تک ہو چکا ہوتا - اگر یہ کام ہوگا تو اُسی طریق سے ہوگا جس کی رہنمائی ہم کو قرآن مجید اور اُسوۂ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے -

أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ ٥

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِسلام

اور

حقوق اطفال

(دوسری قسط) ازقلم :- غازی عزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

نومولود کے حقوق :- نومولود کے حقوق بھی اسلام میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں - پیدائش کے بعد بچہ کو غسل طہارت دینا، اسکے کان میں اذان[1] کہنا، ساتویں[2] دن اس کا عقیقہ[3] کرنا، سر کے بال منڈوا کر اس کے وزن کے

---

[1] - قال أبو رافع رضی اللہ عنہ : "رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم أذّنَ فی أذُنِ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مساوی چاندی یا اس کی قیمت مستحقین کو دینا، اگر اولاد نرینہ ہو تو اس کا ختنہ کرانا اور بچہ کا اچھا و ذو معنی نام رکھنا نومولود کے حقوق میں شامل ہیں - کھجور مسل کر یا چبا کر بچہ کے منہ (تلوے) میں رکھنا[۱] بھی سُنّت ہے - اسلام میں ان جملہ امور کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے جو کتب احادیث میں مذکور ہے -

اکثر دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے نام غیر اسلامی تہذیب سے متاثر ہو کر یا حُسن ادائیگی کے خیال سے یا اپنی جہالت کے باعث مہمل و غیر اہم رکھتے ہیں - نومولود کے حقوق میں سے والدین پر ایک اہم حق یہ بھی ہے کہ بچہ کا عمدہ سے عمدہ و ذو معنی نام رکھیں جیسا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد مبارک ہے -

مَنْ وُّلِدَ لَـهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ ...... الخ (بیہقی)

"ترجمہ: جس کسی کے اولاد ہو اس کو چاہیئے کہ بچہ کا بہتر سے بہتر نام رکھے"

والد محترم جناب مولانا محمد امین الاثری صاحب (صدر مدرس مدرسہ لطفیہ عربیہ علی گڑھ) اپنی معرکۃ الآرا تالیف "تحفہ حدیث" میں نومولود کا اچھا نام رکھنے کی اہمیت اور نام کا اسلام میں معیار، بڑی وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں جو ذیل میں مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے:-

"رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جسے اولاد کی نعمت سے نوازے اس کو چاہیئے کہ اس کا بہترین نام رکھے کیونکہ نام کا اثر نام والے کی ذات پر بھی پڑتا ہے - اس لئے اسلام میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ باپ اپنی اولاد کے لئے ایسے نام کا انتخاب کرے جس سے خدا اور بندہ، عابد و معبود کی اعلیٰ سے اعلیٰ

(بقیہ حاشیہ ص۲) - الحسن بن علی حین ولدتہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا بالصلاۃ"

[۲] وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم: "انہ أمر بتسمیۃ المولود یوم سابعہ، ووضع الأذى عنہ والعقّ" (نوٹ: بچہ کے لئے دو[۲] جانور اور بچی کے لئے ایک[۱] جانور ذبح کرنا مسنون ہے)

[۱] وقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا: "کان رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یؤتیٰ بالصبیان فیدعو لھم بالبرکۃ، ویحنّکھم -"

صفتوں کا اظہار ہوتا ہو اور مستی (نام والے) کی ذات پر اچھے اثرات پڑتے ہوں ۔ اگر خدانخواستہ کسی نے ایسا نام چنا جس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، یا توحید کے مزاج کیخلاف ہو تو اسلام ایسے نام کو برداشت نہیں کرتا، ایسے غیر اسلامی نام کو فوراً بدل دینا چاہیئے کہ رسولؐ کے زمانہ میں غیر اسلامی اور ناپسندیدہ ناموں کی تبدیلی کی بہت سی نظریں پائی جاتی ہیں ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے نام بدل دیتے تھے (ترمذی) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت کے دن خدا کے یہاں سب سے برا نام والا وہ شخص ہے جس کا نام شاہنشاہ ہو ۔ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپاک وہ شخص ہے جس کا نام بادشاہوں کا بادشاہ ہو ۔ (کیونکہ) خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جویریہ کا نام بَرّہ (نیک) تھا رسولؐ نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھ دیا ۔ آپ کو یہ برا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کوئی کہے کہ آپ بَرّہ کے پاس چلے گئے ۔ (مسلم) حضرت ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک بیٹی تھی لوگ اس کو عاصیہ کہتے تھے ۔ رسولؐ نے اس کا نام جمیلہ رکھدیا ۔ عبدالحمید بن شعیبہ فرماتے ہیں کہ میں سعید بن المسیب کے پاس بیٹھا تھا انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے دادا "حزن" نبیؐ کی خدمت میں آئے ۔ رسولؐ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے ؟ انہوں نے کہا میرا نام "حزن" ہے (یعنی سختی کے ہیں) آپ نے فرمایا (یہ نہیں) بلکہ تمہارا نام "سہل" (یعنی نرمی) ہے ۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرا نام جو میرے والد نے رکھ دیا ہے اب میں اس کو نہیں بدل سکتا ۔ (یہ سن کر آپ خاموش رہے) ابن المسیب فرماتے ہیں کہ پھر اس نام کی نحوست کی وجہ سے ہمیشہ ہمارے خاندان میں غمگینی اور سختی رہی ۔ (بخاری) حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں رسولؐ نے فرمایا اپنے نفسوں کی تعریف نہ کیا کرو ۔ اللہ جانتا ہے کہ نیکوکار کون ہے ۔ اس کا نام زینب رکھدو ۔" (مسلم)

سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ تم اپنے بچے کا نام "یسار" اور نہ "فلاح" نہ "نجیح" نہ افلح" رکھو کیونکہ اگر تو پوچھے گا اس جگہ وہ ہے اور وہ نہ ہوگا جواب دینے والا کہے گا نہیں ۔ (مسلم) حضرت شریح بن ہانی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب ہم

اپنی قوم کے ساتھ رسولؐ کے پاس آئے تو حضورؐ نے سُنا کہ وہ لوگ انہیں ابوالحکم کے نام سے پکارتے ہیں۔ رسولؐ نے انہیں بلاکر پوچھا کہ حکم کرنے والا خدا ہی ہے اور اس کی طرف حکم (منسوب) ہے پھر تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے؟ انہوں نے کہا میری قوم کے لوگ جس کسی بات میں جھگڑتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں میں ان کا فیصلہ (تصفیہ) کرتا ہوں تو میرے حکم سے دونوں فریق راضی ہوجاتے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا (فیصلہ کرنا) بہت اچھا ہے۔ اچھا تمہاری اولاد کے کیا کیا نام ہیں؟ وہ بولے میرے بیٹے شریح اور مسلم اور عبداللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں بڑا کون ہے؟ ہانی کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ شریح سب سے بڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو بس تم ابوالشریح ہو" (ابوداؤد)

الغرض اسلام میں ایسے نام جو توحید کے منافی ہوں یا جن سے اعلیٰ اوصاف کا اظہار نہ ہوتا ہو غلط اور غیر مسنون ہیں۔

اسلام میں نام کا معیار: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا قیامت کے دن تمہیں تمہارے باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ لہٰذا تم اپنے اچھے نام رکھا کرو۔ حضرت ابو وہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ فرماتے تھے کہ تم لوگ انبیاء کے نام پر اپنے نام رکھا کرو اور اللہ کے نزدیک سب ناموں میں اچھے نام عبداللہ، عبدالرحمٰن ہیں۔ اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے بُرے نام حرب اور مرہ ہیں (جن کے معنیٰ لڑائی اور تلخی کے ہیں)۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا تمہارے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام سب سے زیادہ زیادہ پسند[1] ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ عبدالرحیم، عبدالصمد، عبدالملک اور اس جیسے دوسرے نام بھی یہی حکم رکھتے ہیں۔ سراجیہ میں ہے کہ علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ نام رکھنے جائز اور درست ہیں کیونکہ یہ الفاظ مشترک ہیں۔ جب یہ انسانوں پر بولے جائیں تو اس سے مراد وہ معنیٰ نہیں ہوتے جو اللہ پر بولنے کے وقت ہوتے ہیں۔ اصولاً جو بات اس میں سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو الفاظ بطور صفات بولے جاتے ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم

---

[1] قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "إنّ أحبَّ أسمائکم إلی اللہ عبد اللہ، وعبد الرحمٰن"

ہے جو خصوصیت سے اس مرتبہ کے نہیں ہوتے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی اور پر نہ بولے جا سکیں اور دوسری قسم وہ ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں پھر اس خصوصیت میں بھی فرق ہے۔ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی جیسے حیّ، جمیل، حکیم، علی، سلام، وغیرہ ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں دیکھا جائے گا کہ استعمال کے قرینہ یہ بتائیں گے یہاں مراد اللہ کی ذات ہے یا کوئی اور شخص۔ تہذیب التہذیب میں بھی اس کی ایک مثال موجود ہے۔ "جمیل" اللہ کا پیارا نام ہے۔ اور لاکھوں مسلمان بھی یہ نام رکھتے ہیں، اور "علی" اللہ کا نام ہے اور کون نہیں جانتا کہ یہی نام حضرت علیؓ کا بھی ہے اور ہزاروں مسلمان اب بھی یہ نام رکھتے ہیں، "سلام" اللہ کا نام ہے لیکن "ابو سلام" نام رکھنا منع نہیں ہے۔ یہ الفاظ ایسے ہیں جن کا استعمال اللہ کی ذات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ نام رکھنا اور کنیت رکھنا جائز ہے۔ "اعلیٰ" یا "علی" بھی منجملہ انہیں الفاظ کے ہیں۔"

(تحفہ حدیث ص۱۳۸)

اچھے نام کے بعد نومولود کے دوسرے حقوق، مثلاً بچہ کے کان میں اذان دینا، ساتویں دن عقیقہ کرنا، سر کے بال منڈانا، چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کرنا، اور ختنہ کرانا وغیرہ، کی وضاحت کے لئے سرمایۂ حدیث کی طرف رجوع فرمائیں۔ ان کے متعلق شرعی احکامات پہلے ہی مختصراً بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں ان امور سے متعلق کچھ مروجہ بدعات و رسومِ باطلہ کا ذکر کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

برصغیر کے طول و عرض میں آج عقیقہ کو محض ایک رسم سمجھا جانے لگا ہے جو سراسر اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ اس موقع کی بعض بری رسوم بھی مشاہدے میں آئی ہیں مثلاً بعض لوگ لڑکے کے لئے نر اور لڑکی کے لئے مادہ جانور ذبح کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔ یا بعض لوگ عقیقہ کا گوشت ماں اور ماں کے اہلِ خاندان (مثلاً بچہ کی خالہ یا نانا یا نانی یا ماموں وغیرہ) یا گھر کے افراد کو کھانے نہیں دیتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض جہالت و لاعلمی کی بناء پر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ عقیقہ کا گوشت بلا استثناء تمام گھر والے خود کھائیں، دوست و احباب اور عزیز و اقارب کو کھلائیں اور صدقہ بھی کریں۔ عقیقہ کرنا والدین پر فرض یا واجب نہیں بلکہ سُنت ہے۔ اگر استطاعت ہو تو عقیقہ جیسی سُنت

کو محض رسم سمجھ کر ترک کر دینا درست نہیں اور نہ ہی یہ درست ہے کہ محض اس کے لئے انسان مقروض بنے اگرچہ حدیث میں اس کی بہت تاکید و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے اگر ساتویں دن کسی پریشانی یا عذر کی بناء پر عقیقہ نہ کر سکیں تو جب بھی عذر دور ہو یا پریشانی رفع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ استطاعت بخشے تو بلا تاخیر رسول اللہ کی اس محبوب سنت کو ادا کر ڈالنا چاہیئے ۔

ختنہ اور عقیقہ کے موقع پر بعض بری باتیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں ۔ مثلاً ناچ رنگ وڈھول گانے باجے یا مجلس میلاد کا اہتمام کرنا، گھوڑے پر بچہ کو سوار کرا کر کسی مسجد یا بزرگ کی قبر تک لیجانا، بچہ کے سر پر پھول و سہرا باندھنا، اس کے چہرے پر کالہ ٹیکہ لگانا، منت کے طور پر لڑکے کا کان چھیلانا، سرخ و پیلے رنگ یا کالے رنگ کا دھاگا گلے میں لٹکانا یا بازو اور کمر پر باندھنا، کوئی سکہ یا ہڈی کا ٹکڑا یا لوہے یا چاندی یا سونے کا چاقو گلے میں لٹکانا، بچہ کے سر کے چاروں طرف روپیہ پیسہ کئی بار گھما کر اس کا صدقہ اتارنا اور اسی طرح امام ضامن باندھنا[1] وغیرہ سب غیر شرعی و جاہلانہ رسوم و اختراعات ہیں ۔ ان سے خود بچنا چاہیئے ۔ اور دوسروں کو بھی روکنا چاہیئے ہاں بچہ کو کسی مرض کا نشتر علاجاً لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

حقوق الرضیع والمرضع

اسلام سے قبل بھی اہل عرب میں بچہ کی رضاعت کا حق معروف تھا چنانچہ شرفائے مکہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے صحرائی علاقوں کے اچھے قبائل میں بھیج دیتے تھے تاکہ عمدہ آب ہوا میں پرورش پائیں اور خالص عربی بھی سیکھ لیں ۔ شہروں میں بچوں کی نگہداشت و پرورش اتنی توجہ و عزیمت سے نہیں ہو پاتی تھی جتنی کہ یہ صحرائی دودھ پلانے والی عورتیں کیا کرتی تھیں چنانچہ محمد الخضری لکھتے ہیں : " فکان من عادتهم أن يلتمسوا المراضع لمواليدهم في البوادي ليكون أنجب للولد وكانوا يرون أن المربي في المدن قليل الذهن فاتر العزيمة ۔" (نور الیقین

---

[1] ان چیزوں سے متعلق شرعی احکامات آگے " بچوں کے امراض و نظر بد کا علاج " کے زیر عنوان پیش کئے جا رہے ہیں ۔ لہٰذا مذکورہ عنوان کے تحت تفصیل ملاحظہ فرمائیں ۔

فی سیرۃ سیّد المرسلین لمحمد الخضری صـ۷ الطبعۃ السابعۃ القاھرۃ ۱۳۵۴ھ)۔
شرفائے عرب کی اس عادت کے باعث باہر کے مختلف قبیلوں کی عورتیں وقتاً فوقتاً بستیوں وشہروں میں گھوما کرتی تھیں اور سرداروں کے بچے لیجایا کرتی تھیں جن سے اُن کو معقول معاوضے ملتے تھے اور بعد میں بھی حسن سلوک کی توقع ہوتی تھی مشہور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ "شرفائے مکہ میں آج بھی یہ رواج قائم ہے۔ وہ اپنے بچوں کو ولادت کے آٹھویں روز صحرا میں بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ وہاں آٹھ یا دس[1] سال کی عمر تک رہیں۔ صحرا کے کچھ قبائل عمدہ مراضع فراہم کرنے کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں مثلاً قبیلہ بنی سعد" (حیاۃ محمد لمحمد حسین ہیکل ترجمہ انگریزی صـ۴۸-۴۹ مطبوعہ امریکہ)

حسب رواج حضور صلی اللہ علیہ وسلم (جنہوں نے ابتداءً چند روز ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ[1] پیا تھا) کی ولادت کے کچھ مدت بعد بنی سعد بن بکر[2] کی کچھ عورتیں بچے لینے کے لئے مکہ گئیں جن میں حلیمہ بنت ابی ذؤیب بھی اپنے شوہر حارث بن عبداللہ کے ساتھ شامل تھیں۔ کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک کہتی تھی کہ بچہ یتیم ہے، باپ ہوتا تو ہم اس سے کچھ حسن سلوک کی اُمید رکھتے، بیوہ ماں اور دادا سے معلوم نہیں کچھ ملے یا نہ ملے۔ چنانچہ دوسری تمام عورتوں نے دوسرے بچے لے لئے اور حلیمہ بنت ابی ذؤیب کو کوئی بچہ نہ ملا (اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا لاغر ومفلس نما بدن مکہ کی عورتوں کو پسند نہیں آتا تھا[3]) قبیلہ کی سب عورتیں جب واپس جانے کیلئے تیار ہوئیں تو حلیمہ بنت ابی ذؤیب نے اپنے شوہر سے کہا میں خالی ہاتھ جانا پسند نہیں کرتی، جاکر اُسی یتیم بچہ کو لئے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا: کیا مضائقہ ہے اگر تو ایسا کرے، ہو سکتا ہے کہ اللہ اُسی میں ہمیں برکت دے دے۔ چنانچہ وہ گئیں اور صرف اس لئے

---

[1] ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام، دی لائف آف محمدؐ لمحمد حسین ہیکل صـ۴۹، سیرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لسید لمودودی ج ۲ صـ۲ وابن سعد وغیرہ

[2] قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ

[3] دی لائف آف محمدؐ صـ۴۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا کہ انہیں کوئی بچہ نہیں ملا تھا[1]۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کی سعادت حلیمہ بنت ابی ذؤیب السعدیۃ کو نصیب ہوئی ۔ باختلاف روایات حلیمہ بنت ابی ذوئب نے مکمل دو[2] سال تک رسول اللہ کو دودھ پلایا اور دو سال مزید تک آپ کی نگہداشت و پرورش کی[2]۔ اپنی رضاعت وصحرائی پرورش کے دوران رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان پر خوب دسترس حاصل کر لی تھی چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے :۔

انا اعربکم انا قرشی واسترضعت فی بنی سعد بن بکر[3] ۔۔ ترجمہ : میں تم میں سب سے زیادہ عربی داں ہوں ، میں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری رضاعت کا زمانہ گزرا ہے ۔"

مرحلۂ رضاعت میں اسلام نے مرضع و رضیع دونوں کے لئے خصوصی حقوق و رہنما اصول مقرر کئے ہیں ۔ قرآن میں خدا تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ج وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ط لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ط (الطلاق - ۶ ، ۷)

" ترجمہ : پھر اگر وہ تمہارے لئے (بچے کو) دودھ پلائیں تو ان کی اُجرت انہیں ادا کرو اور بھلے طریقے سے (اُجرت کا معاملہ) باہمی گفت شنید سے طے کر لو۔ لیکن اگر تم نے (اُجرت طے کرنے میں) ایک دوسرے کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ ادا کرے اور جس شخص کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اُسی

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ، دی لائف آف محمدؐ، سیرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لسیّد مودودی ج۲
[2] ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو سال اور حلیمہؓ کے ہاں رہے مگر ابن اسحاق کی روایت اس سے مختلف ہے ۔
[3] دی لائف آف محمدؐ ص۷۱ و سیرۃ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لسیّد مودودی ج ۲ ص ۹۸

مال میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے ۔"

اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے سلسلے میں پیدا ہونے والے تمام سوالات وشکوک وشبہات کے جوابات مندرجہ بالا آیات میں خوب واضح طریقے پر بیان فرما دیئے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے : (۱) ماں اپنے دُودھ کی مختار اور مالک ہے (۲) طلاق کی صورت میں وہ بچہ کو دُودھ پلانے پر قانوناً مجبور نہیں ہے (۳) اگر بچہ کا باپ بچہ کو اس کی اصل ماں سے دودھ پلوانا چاہے اور بچہ کی ماں بھی اُس کو دودھ پلانے پر رضامند ہو تو وہ اُسے دُودھ پلائے گی اور اس خدمت کے لئے اُجرت کی مجاز ہوگی (۴) بچہ کا باپ قانوناً مجبور نہیں ہے کہ بچہ کی ماں ہی سے اُس کو دُودھ پلوائے (۵) بچہ کی رضاعت ونفقہ کا فرض باپ پر عائد ہوتا ہے (۶) بچّہ کو دودھ پلانے کی اوّلین حقدار ماں ہے (۷) دوسری عورت سے بچہ کی رضاعت کا کام اُسی صورت میں لیا جائے جب کہ بچہ کی ماں اس خدمت کے لئے راضی نہ ہو یا رضاعت کی ایسی اُجرت طلب کرتی ہو جس کا ادا کرنا باپ کی قدرت سے باہر ہو (۸) اگر دوسری عورت بھی بچہ کو دودھ پلانے کی وہی اُجرت طلب کرتی ہو جو کہ بچہ کی اصل ماں طلب کرتی ہے تو ایسی صورت میں ماں سے رضاعت کی خدمت لی جائے گی ۔

اس مسئلہ کی مزید توضیح وتشریح فقہائے اسلام اس طرح فرماتے ہیں : "ضحّاک کا قول ہے کہ بچہ کی ماں اُسے دُودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے مگر اُس کو اختیار ہے خواہ دودھ پلائے یا نہ پلائے ۔ لیکن اگر بچہ کسی دوسری عورت کی چھاتی قبول نہ کرتا ہو تو ایسی صورت میں بچہ کی اصل ماں کو ہی اُس کی رضاعت کے لئے مجبور کیا جائے گا ۔ اِسی سے ملتی جلتی رائے قتادہ وابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کی بھی ہے ۔ ابراہیم نخعی مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بچہ کی رضاعت کے لئے کوئی دوسری عورت نہ مل رہی ہو تب بھی بچہ کی اصل ماں کو اُسے دُودھ پلانے پر مجبُور کیا جائیگا ۔ (ابن جریر)

فقہائے حنفیہ کے نزدیک " اگر ماں باپ کی علیحدگی کے وقت بچہ چھوٹا ہو اور دُودھ پیتا ہو تو اُس کی ماں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہی بچہ کو دودھ پلائے ۔ البتہ اگر کوئی دوسری عورت اس خدمت کے لئے نہ ملتی ہو تو ماں کو رضاعت پر مجبور کیا جائے گا ۔ اگر باپ یہ کہتے کہ میں بچہ کی اصل ماں کو اُجرت دے کر دُودھ پلوانے کے بجائے کسی دوسری

عورت سے اُجرت پر یہ خدمت لوں گا اور ماں بھی اُس دوسری عورت کے برابر اُجرت طلب کر رہی ہو یا بلا اُجرت ہی خدمت رضاعت کے لئے رضامند ہو تو ایسی صورت میں ماں کا حق مقدم مانا جائے گا۔ لیکن اگر بچہ کی ماں دوسری عورت کے مقابلہ میں زیادہ اُجرت طلب کرتی ہو تو باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایہ)

مرحلۂ رضاعت کی مزید توثیق و تکمیل و تاکید اور اس کی مدّت کے تعین کے لئے قرآن کریم میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ
اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ
لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط
وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ
كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط لَا تُكَلَّفُ
نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ج لَا تُضَآرَّ
وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ
بِوَلَدِهٖ ق وَعَلَى الْوَارِثِ
مِثْلُ ذٰلِكَ ج فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط وَاِنْ
اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ ط (البقرة - ۲۳۳)

"ترجمہ: جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدّتِ رضاعت تک دُودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دوؔ سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ مگر کسی پر اُس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہیئے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اُس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اُس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا بچہ کے باپ پر ہے، ویسا ہی اُس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دُودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو وہ معروف طریقے پر ادا کرو۔"

سورۂ بقرہ کی اس آیت سے جو اہم اور نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں (۱) بچہ کی مکمل مدّتِ رضاعت[1] دو سال ہے (۲) بچہ کو مکمل دو سال دودھ پلوانا قانوناً شرط نہیں ہے (۳) اگر فریقین باہمی صلاح و مشورہ سے بچہ کے دودھ کو دو سال سے قبل چھڑانے پر رضامند ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے (۴) یتیم بچہ کی رضاعت کی ذمہ داری اس کے اولیاء پر عائد ہوتی ہے۔ بچہ کی مدّتِ رضاعت کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرماتا ہے :-

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۔ (لقمٰن - ۱۴)

" ترجمہ: اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اُس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اُسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اُس کو نصیحت کی ہے کہ) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے"۔

اگر کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ مدّتِ رضاعت کے اندر پیا ہو تو ازروئے شریعت حرمتِ رضاعت ثابت[2] ہو گی لیکن بعد کی کسی رضاعت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے

---

[1] امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بچے کی مدّتِ رضاعت دو سال ہے۔ امام مالک رح سے بھی ایک روایت اسی قول کے حق میں ہے لیکن امام ابو حنیفہ رح نے مزید احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے اور رضاعت کی مدت ڈھائی سال تجویز کی ہے۔

[2] جیسا کہ قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے : حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ . . . . وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ . . . . الخ (النساء - ۲۳) " ترجمہ : تم پر حرام کی گئی ہیں . . . . اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں ۔" مزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے : "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔" (حدیث)

گا۔ فقہار کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کے لئے "بچہ کے دودھ پینے کی عمر" متعین کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ وامام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک بچہ کے دودھ پینے کی مقدار اگر اتنی ہے جتنی کہ روزہ توڑنے کے لئے کافی ہوتی ہے تو حرمت ثابت ہوجائے گی۔ امام احمدؒ کے نزدیک تین مرتبہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ، ابن مسعود، ابوہریرہ اور ابن عمر کا قول ہے کہ دو سال کے اندر جو دودھ پیا جائے صرف اُسی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف امام محمد اور سفیانؒ ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول اسی مسلک کی تائید میں موجود ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی حرمتِ رضاعت کی یہی حد ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دو سال سے اگر دو مہینہ بڑھ بھی جائے تو اس مدّت میں بھی دودھ پینے کا وہی حکم ہے جو دو سال سے قبل کا ہے۔

امام ابوحنیفہ وامام زُفر کا قول ہے کہ ان کے نزدیک مدتِ رضاعت چونکہ ڈھائی سال ہے اس لئے اس مدّت کے اندر دودھ پینا حرمتِ رضاعت ثابت کرے گا۔

حضرت عائشہؓ وحضرت علیؓ کے ساتھ فقہار میں سے عُروہ بن زبیر، عطار لیث بن سعد اور ابن حزم کا قول ہے کہ حرمتِ رضاعت کے لئے اصل اعتبار دودھ پینے کا ہے نہ کہ عمر کا۔ خواہ کسی عمر میں دودھ پیا جائے اُس سے حرمت ثابت ہوگی۔ دودھ پینے والا اگر بوڑھا بھی ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو شیرخوار بچہ کا ہے۔

اُم سلمہ اور ابن عباس کی رائے ہے کہ اعتبار صرف اُس مدّت میں دودھ پینے کا کیا جائے گا جب کہ بچہ کا دودھ چھڑایا نہ گیا ہو اور اُس کی غذا کا انحصار شیرخواری پر ہو۔ اگر کسی بچہ نے دودھ چھڑانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اُس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے اس نے پانی پیا ہو۔ حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اس معنی میں وارد ہوئی ہے۔ زُہری، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے   پھر اِن شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے   مرا نورِ بصیرت عام کردے

عشری اور خراجی اراضی

پاکستان میں عشری نہیں صرف خراجی زمین ہے

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

جناب رفیع اللہ صاحب لاہور کا ایک مراسلہ آپ کی نظر سے خطوط و آرا کے کالموں میں گزرے گا۔ موصوف نے ایک مضمون جو نوائے وقت میں شائع بھی ہو چکا ہے قارئین میثاق کے لئے بھیجا تھا۔ جو پیش خدمت ہے ہمیں فاضل مضمون نگار کی بعض آرا سے اتفاق نہیں ہے باایں ہمہ اس کو اس لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ یہ اسلام کے نظام زکوٰۃ پر سوچ بچار کرنے والوں کے لئے غور و فکر کی چند راہیں کھولتا ہے (مرتب)

نظام زکوٰۃ کے بارے میں عبدالوہاب شعرانی نے اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ جلد دوم کے صفحہ ۲ پر اس بارے میں امتِ مسلمہ کے تمام علمار کا اجماع نقل کیا ہے (اجمع العلماء ان لیس مع الزکوٰۃ شیئًا)

اسلامی ریاست میں حکومت کے تمام اخراجات نظام زکوٰۃ سے اکٹھا ہونے والی آمدنی ہی سے پورے ہوتے ہیں اور اس نظام کی سب سے بڑی مد خراجی زمین ہے آج بھی اس مد سے اتنی آمدنی حاصل ہو سکتی ہے کہ کسی مزید ٹیکس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسلامی قانون کے مطابق تمام مفتوحہ ممالک جن میں برصغیر پاکستان و بھارت شامل ہیں کی اراضی خراجی کے ذیل میں آتی ہیں۔ تمام اسلامی ادوار میں اس اسلامی قانون پر سختی سے عمل ہوتا رہا ہے یہاں تک کہ ۱۷۹۳ء میں انگریزوں نے بنگال کے بندوبست دوامی کے ذریعے یہاں کی اراضی کی حیثیت بدل دی اور غیر حاضر۔ زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا۔ ان زمینداروں نے اپنی طرف سے عشر ادا کرنا شروع کیا اور کوشش کی کہ علمار اس کے جواز کا فتویٰ دیں لیکن چونکہ ایک دفعہ خراجی قرار دی ہوئی زمین ابد تک عشری میں تبدیل نہیں کی جاتی۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتا۔میں اس بارے میں جو سینکڑوں فتوے پوچھے گئے ان سب کا یہی جواب دیا گیا کہ یہ اراضی کسی صورت میں عشری میں تبدیل نہیں ہوسکتی ہاں، احتیاطاً کوئی عشرادا کرے تو اس کی اپنی مرضی ہے۔

اس موضوع پر راقم کا ایک مفصل مضمون نوائے وقت میں شائع ہوچکا ہے مجھے توقع تھی کہ علمارکرام اس سلسلے میں کچھ وضاحت فرمائیں گے۔لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے تو تیس سال سے لگ رہے ہیں لیکن اس مقصد کے لئے جس قدر "ہوم ورک" کی ضرورت ہے اس سے پہلو تہی کی جاتی رہی اس موضوع پر راقم نے پندرہ سال پہلے تحقیقی کام شروع کیا اور ۱۹۶۹ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک مختصر سی میٹنگ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے چیرمین علامہ علاؤالدین صدیقی نے نظام عشر پر گفتگو شروع کی تو راقم نے بہت سے اہل علم کی موجودگی میں اس کی تصیح کی کہ ہمارے ملک کی اراضی 'خراجی' کے ذیل میں آتی ہیں جن پر عشر کا اطلاق نہیں ہوتا، اور اس کے ساتھ ہی اسلامی فقہ کی معتبر کتابوں سے تمام حوالہ جات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ علامہ شاہ محمد جعفر پھلواری اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے سکالروں نے میرے نقطۂ نظر کی تائید کی چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ میں نظریاتی کونسل کی رہنمائی کے لئے ایک مسلسل کتاب اس موضوع پر تیار کردوں جس کی نگرانی مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ کریں گے جو اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک سینئر رکن تھے اور آج بھی اس منصب پر فائز ہیں۔ راقم نے خالد صاحب کی لائبریری میں بیٹھ کر دو ماہ میں مطلوبہ کتاب تیار کرکے ان کے حوالے کی اور ساتھ ہی اس کے مطابق ۱۹۷۹ء کا قومی بجٹ بھی بنا دیا جس میں موجودہ ٹیکسوں میں سے ایک ٹیکس بھی نہ تھا۔ میرا تحقیقی کام ان حضرات کے لئے اچنبھے کی بات تھی اس لئے انہوں نے مختلف ذرائع سے اسے چیک کرایا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے اسکالروں نے بھی اس کی تصدیق کردی اور پھر ادارہ نے اسے کتاب کی صورت میں اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام کے عنوان سے شائع کردیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔کہ اب جب زکوٰۃ اور عشر آرڈی ننس نافذ کیا گیا ہے تو اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے یہ تفصیلات نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی دنوں مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ جن کی نگرانی میں راقم نے یہ تحقیقی کام کیا تھا، ادارۂ تحقیقات اسلامی میں تشریف لائے۔جہاں اسکالر اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔راقم نے خالد صاحب کو یاد دلایا

کہ انہوں نے عشر کا نیا قانون بناتے وقت پچھلے تمام تحقیقی کام کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان کے گوش گزار کی کہ اُمتِ مسلمہ کے ستر فقہی مذاہب کہ جن میں سے اکثر اب ختم ہو چکے ہیں کے تمام فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے ۔ اور اسلامی فقہ کی ڈیڑھ ہزار کتابوں میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کے تحت پاکستان کی اراضی کو عشری کے ذیل میں لایا جا سکے ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے اسکالروں نے تو کچھ ناراضگی کا بھی اظہار کیا کہ یہ ادارہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے تحقیقی مواد فراہم کرنے کی خاطر قائم کیا گیا لیکن اگر ان کی تحقیق کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس ادارے پر غریب عوام کے کروڑوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ میں نے خالد صاحب سے یہ بھی درخواست کی کہ صدر صاحب نیک نیتی سے اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں اس لئے خدا کے لئے ان کے سامنے صحیح تفصیلات پیش کی جائیں خالد صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ نظریاتی کونسل کے چیئرمین کی توجہ اس طرف دلائیں گے ۔ علمائے کرام کو اس مسئلہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلانے کے لئے فقہ کی ابتدائی کتاب " مالا بد " کا حوالہ یہاں غیر مناسب نہ ہوگا ۔ یہ کتاب کروڑوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہے اور مصنف نے علماء حضرات کو نظریاتی بحثوں میں گم ہونے سے بچانے کے لئے اس میں سے وہ تمام بحثیں خارج کر دی ہیں ۔ جن کا برصغیر پاکستان و بھارت سے کوئی تعلق نہیں ۔ عشر کا مسئلہ انہوں نے ایک چوتھائی سطر میں حل کر دیا ہے کہ چونکہ برصغیر میں کوئی عشری زمین نہیں اس لئے عشر کے مسائل بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور آخر میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ ملاحظہ ہو جس کے مطابق اگر کسی مسلمان علاقے پر دشمن کچھ عرصے کے لئے غالب آجائے اور مسلمان اسے پھر دوبارہ حاصل کر لیں تو اس کی اراضی اپنی اصل یعنی خراجی حیثیت کی طرف لوٹ آئیں گی (جلد سوم اردو ایڈیشن صفحہ ۵۲ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور) اُمید ہے علماء حضرات فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کا مطالعہ فرما کر اس کی صحیح اسلامی حیثیت عوام کے سامنے لائیں گے۔

یہ دَور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الاّ اللہ

تعارفُ الکتاب

پہلا پارہ

الٓـمّٓ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ؕ

اب سے ایک ہزار چار سو گیارہ برس قبل رمضان المُبارک کے ہی مہینے میں ایک مقدس اور مبارک رات کو پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے سمائے دُنیا تک نازل ہوا، اور اسی مبارک مہینے میں قرآن مجید کا نزول نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر شروع ہوا۔ آنحضورؐ پر قرآن مجید کا یہ نزول لگ بھگ تیئس ۲۳ برسوں میں مکمل ہوا۔ اس رات میں ہر سال رمضان مبارک ہی میں جس قدر قرآن مجید اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا۔ اُس کا مذاکرہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت جبرائیل علیہ السّلام کے ساتھ کرتے تھے تاآنکہ اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری رمضان مُبارک میں آنحضورؐ نے پورے قرآن مجید کا مذاکرہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام کے ساتھ دو مرتبہ کیا۔ اسی طرح گویا قرآن مجید کی ترتیب خود نبی اکرم صلّی علیہ وآلہٖ وسلّم نے متعین فرمائی اور وہ قرآن مجید کو اُمتِ مسلمہ کو منتقل فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ آنحضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مُبارک میں اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآن مجید کی تقسیم صرف سُورتوں اور آیات میں تھی۔ اس کے

علاوہ صرف ایک لفظ ہمیں اور ملتا ہے اور وہ احزاب کا یا منزلوں کا ہے۔ اس کو اس طرح گروپ کر دیا گیا کہ وہ سات حصوں میں منتقل ہو گیا تاکہ ایک حصہ یا ایک جزو، یا ایک منزل روزانہ تلاوت کر کے ہر ہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جاتے۔ بعد میں مسلمانوں کا ایمان اور اسلام کا جوش و خروش قدرے کم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کو تیس حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہر مسلمان ہر روز ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل کر لیا کرے۔ چنانچہ یہ قرآن مجید کے تیس پارے وجود میں آئے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہر پارے کو بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ہر سورت کو رکوعوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور اس تقسیم سے آج ہم زیادہ واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پروگرام میں روزانہ ایک پارے کے بارے میں کچھ اہم باتیں بیان کی جائیں گی۔ قرآن حکیم کا پہلا پارہ جو "الٓمٓ" کے نام سے موسوم ہے سورۃ فاتحہ اور سورہ بقرۃ کی ایک سو اکتالیس آیات پر مشتمل ہے۔ سورۂ فاتحہ جو ہماری نماز کا جزوِ لازم ہے۔ قرآن کریم کی اہم ترین سورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے نام بھی ہیں۔ اُسے اُم القرآن بھی کہا گیا ہے۔ اور اساس القرآن بھی کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے لیے بہ منزلہ اساس ہے۔ اسی طرح اس کا نام الکافیہ اور الشافیہ بھی ہے۔ سورہ فاتحہ اس کو اسلئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کی افتتاحی سورت ہے۔ یہ سات آیات پر مشتمل ہے اور اس میں درحقیقت انسانی فطرت کی ترجمانی کی گئی ہے کہ ایک سلیم الفطرت صحیح العقل انسان اس حقیقت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے ایک مالک ہے اور وہی اس کا پروردگار اور پالن ہار ہے۔ جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ پھر اس حقیقت تک بھی رسائی ہو جاتی ہے کہ انسانی اعمال عبث اور بیکار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا نتیجہ نکل کر رہے گا۔ اور انسان کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ اور اس کا پورا اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہوگا جو ربّ العالمین ہے۔ اس کے بعد اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں گویا کہ انسانی فطرت کی اس پکار کا ذکر کیا گیا اور اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا کہ اس دُنیا

میں زندگی بسر کرنے کے لئے انسان ایک متوازن اور معتدل راستے کا محتاج ہے اور یہ متوازن اور معتدل راستہ انسان اپنی عقل سے معین نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے وہ مجبور ہے کہ اللہ ہی سے درخواست کرے کہ وہ اس کے سامنے صراطِ مستقیم کو واضح کرے اور اس پر چلنے کی اسے توفیق عطا فرمائے۔ اس سورۃ فاتحہ کا گویا کہ جواب ہے پورا قرآن مجید۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی سورت، سورۃ بقرہ شروع ہوتی ہے انہیں الفاظ سے کہ " الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ ۖ فِيْهِ ۛ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ " یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے کہ جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو۔ جن میں نیکی کا شعور اور احساس موجود ہو۔ جو بھلائی کے، ہدایت کے، طالب ہوں۔ اُن کے لئے کامل ہدایت نامہ اس قرآن شریف کی صورت میں انسانوں کو اللہ تعالےٰ نے عنایت فرمادیا۔

سُورہ بقرہ کی ایک سو اکتالیس آیات آئی ہیں۔ یہ سُورہ مبارکہ قرآن مجید کی طویل ترین سُورت ہے۔ یہ ایک سو اکتالیس آیات سولہ رکوع میں منقسم ہیں جن میں سے پہلے دو رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں جن میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے ایک وہ جو قرآن مجید سے صحیح طور پر مستفیض ہو سکتے ہیں اس استفادے کی شرائط ان لوگوں کے اوصاف کی صورت میں بیان کر دی گئی ہیں دوسرے وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث یا اپنے تعصب کی بنیاد پر یا تکبر یا حسد کی وجہ سے کفر پر اڑ گئے ہیں۔ اور اب گویا کہ انہوں نے قرآن کریم کی ہدایت سے اپنے آپ کو یکسر محروم کر لیا ہے۔ اور ان دونوں کے مابین ایک تیسرا گروہ ہے جسے ہم منافقین کے نام سے جانتے ہیں۔ جو مدعی تو ایمان کے ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایک روگ ہوتا ہے۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ اور یہ روگ جو ہے ان کو ایمان کی طرف یکسو نہیں ہونے دیتا۔ اس کے بعد تیسرے رکوع میں گویا کہ قرآن مجید اپنی دعوت کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اس کی اہم ترین آیت ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝ۙ۔ اے انسانو! بنی آدم! اپنے اُس ربّ کی بندگی اور پرستش اور اطاعت اور غلامی اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ اور تم سے پہلے جتنے انسان ہو گذرے ان سب کو پیدا کیا۔ اس کے بعد پھر انتہائی دلنشیں پیرائے میں سولہویں رکوع میں یہود کو دعوت دی گئی کہ ایمان لاؤ محمد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اتباع کرو اسی دینِ ابراہیمی کا، اسی ملّتِ ابراہیمی کا جس پر خود نبیؐ کاربند ہیں۔ اور جس کی طرف اب تمہیں دعوت دے رہے ہیں۔ یہ دعوت ختم ہوتی ہے بڑے ہی بلیغ پیرائے میں کہ اے اہلِ کتاب اے بنی اسرائیل ہمارے اور تمہارے جدِّامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید پر کاربند تھے۔ اسی توحید کی دعوت اور اسی کی وصیّت انہوں نے اپنی نسل کو کی تھی۔ اور اسی دعوت کو محمد رسُولِ عربی صلّی اللہ علیہ وسلّم آج تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اب اگر تم اس سے روگردانی کروگے تو یہ بات کہ تم ابراہیم علیہ السّلام کی نسل سے ہو اور جلیل القدر انبیاء تمہاری نسل سے پیدا ہوئے۔ اللہ کے عذاب سے تمہیں بچا نہ سکے گی بلکہ اب اللہ کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ پر ایمان لاؤ۔

دوسرا پارہ

سَیَقُوۡلُ

سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰہُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡہَا ؕ قُلۡ لِّلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝

قرآن مجید کا دوسرا پارہ جو سیقول کے نام سے موسوم ہے کل کا کل سُورہ بقرہ کی ایک سو گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۱۴۲ تا آیت نمبر ۲۵۲۔ یہ آیات تقریباً پونے سترہ رکوعوں میں منقسم ہیں۔ جن میں سے پہلے دو رکوعوں

میں تحویلِ قبلہ کا حکم وارد ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز میں اپنا رُخ بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام یعنی خانۂ کعبہ کی طرف کریں۔ تحویلِ قبلہ کا یہ حکم درحقیقت علامت تھا اس بات کی کہ حاملِ کتابِ الٰہی اور اللہ تعالےٰ کی شریعت کے امین ہونے کی حیثیت سے جو مقام اور جو مرتبہ ایک طویل عرصے سے بنی اسرائیل کو حاصل تھا اب وہ اس مقام سے معزول کئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ اُمّت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس مرتبہ اور مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب بنی اسرائیل کے مرکز یعنی بیت المقدس کی بجائے آئندہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہلِ توحید کا قبلہ خانۂ کعبہ ہوگا۔ اس تحویلِ قبلہ کے حکم کے ضمن میں یہ بات بھی فرمادی گئی کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت دراصل اس دُعائے ابراہیمی کا ظہور ہے جس کا ذکر پہلے پارے کے آخر میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ الخ ایسے ہی ہم نے مبعوث کیا تم پر اپنا رسُول جو تمہیں میں سے ہے۔ تمہیں سناتا ہے، ہماری آیات اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی اکرم صلعم کی اُمّت ہونے کی حیثیت سے اب مسلمانوں کے کاندھوں پر جو نازک ذمہ داری آگئی ہے۔ اس کا ذکر بھی اس دوسرے پارے کے بالکل آغاز میں فرمایا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَيۡكُمۡ شَهِيۡدًا ؕ

اور اس طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمّت بنایا۔ تاکہ تم گواہ بن جاؤ پوری نوعِ انسانی پر اور نبی گواہ ہوجائیں تم پر۔ یعنی جو پیغام ربانی نبی صلعم نے تم تک پہنچایا اور تم پر اللہ کی طرف سے حجت قائم کردی۔ اب اسی پیغام کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ وہ دینِ حق جو ہم نے نبی کو دے کر بھیجا جس کی تبلیغ اور جس کا دنیا میں قائم کرنا ان کا فرضِ منصبی ہے۔ اب وہ فرض بحیثیت اُمت تمہارے کاندھوں پر آگیا ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد خطاب شروع ہوا اُمتِ مسلمہ سے بحیثیت اُمّت

مسلمہ۔ پہلے پارے میں اکثر و بیشتر خطاب کا رُخ یہود کی طرف تھا۔ لیکن اس دوسرے پارے میں خطاب اُمّت مسلمہ سے ہے۔ اور آغاز میں یہ پیشگی تنبیہ فرما دی گئی کہ مسلمانو! جو نازک ذمہ داری تمہارے کاندھوں پہ ہے اس کے لئے تمہیں ہر نوع کے خطرات سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ط اس سارے راستے میں کامیابی کے لئے تمہیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیئے۔

اس راہ میں ہر طرح کی آزمائشوں سے تمہیں دوچار ہونا ہوگا۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝

اس کے فوراً بعد توحید کا ذکر ہوا۔ اس لئے کہ وہ دین اسلام کا اصل اصول ہے اور یہاں اس توحید کے بیان میں ایک بڑی اہم بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ توحید کا حاصل اور لب لباب یہ ہے کہ بندے کو سب سے زیادہ شدید محبت اللہ کے ساتھ ہو جائے۔ دنیا کی ہر شے مال و منال سے اہل و عیال سے حتیٰ کہ اپنی جان سے اللہ تعالےٰ کا عزیز تر اور محبوب تر ہو جانا۔ یہ درحقیقت توحید کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ فرمایا:- وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ط۔

اس کے بعد اُمّت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں ایک طرف احکام بیان ہوئے ہیں حلال اور حرام کے احکام، کھانے اور پینے کے سلسلے میں حلت و حرمت کے احکام۔ اس کے ساتھ وراثت کے متعلق اور وصیت کے کچھ احکام۔ پھر قصاص کے متعلق کچھ احکام اور اسکے بعد حکم وارد ہوا روزے کا، رمضان المبارک کی عظمت کے بیان کے ساتھ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ج فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ رمضان کا مبارک مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، نوعِ انسانی کیلئے

ہدایت اور رہنمائی اور ہدایت بھی وہ جو بیّنات پر مشتمل ہے کھلی کھلی تعلیمات اور واضح اور روشن دلائل کے ساتھ ۔ حق اور باطل کو بالکل جدا کر دینے والی چیز ۔ تو اس مبارک مہینہ کا حق یہ ہے کہ جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس میں روزے رکھے ۔ اس کے بعد حکم قتال وارد ہوا کہ اے مسلمانو! اب دعوت اسلامی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے ۔ ہجرت سے قبل تمہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تھی ۔ حکم یہ تھا کہ چاہے تمہیں مارا جائے ، تمہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے ، چاہے تمہیں تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر اوندھے منہ گھسیٹا جائے لیکن تمہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے ۔ وہ دورِ ہجرت پر ختم ہو چکا اب دعوت اسلامی نئے دور میں داخل ہو چکی ہے اب مسلح تصادم کا دور ہے ۔ جہاد اور قتال بالسیف کا دور ہے ۔ لہٰذا اس نئے دور کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو ۔ چنانچہ چوبیسویں رکوع میں حکم قتال وارد ہوا ہے ۔ اس کے بعد دو رکوع میں حج کے احکامات بیان ہوئے ہیں ۔ مناسک حج کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے اس پہلو سے کہ جس زمانے میں یہ آیات نازل ہو رہی تھیں مسلمانوں کے لئے حج کرنا ممکن نہ تھا ۔ گویا حج کے ایّام میں ان آیات کی تلاوت سے مقصد تھا مسلمانوں کے جذبہ دینی کو مشتعل کرنا ، ان کی حمیّت اور غیرت کو بیدار کرنا تاکہ انہیں یہ بات یاد رہے کہ ان کا اصل مرکز ، توحید کا اصل مرکز خانہ کعبہ مشرکین کے زیر تسلّط ہے ۔ اس کو واگذار کرانا مشرکین کے قبضے سے اس کو آزادی دلانا اور اس کو توحید کا مرکز بنانا جس کے لئے فی الواقع اس کی تعمیر ہوئی تھی ۔ یہ ان کا فرض منصبی ہے ۔ یہ حکم قتال دوسرے پارے کے آخر میں پھر آیا ہے ۔ اور وہاں تاریخی طور پر ذکر کیا گیا ہے یہود کی تاریخ کے اس دَور کا جس میں کہ حضرت طالوت علیہ السّلام کی جنگ ہوئی تھی جالوت کے ساتھ اور یہی جنگ تھی درحقیقت جو یہود کے دَورِ عظمت کی تمہید بنی تھی ۔ اس جنگ ہی کے بعد وہ دَور آیا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کا شان و شوکت والا دور جو یہود کی زریں تاریخ کا دَور ہے ۔ اس کا آغاز ہوا ۔ یہ گویا مسلمانوں کے لئے ایک پیشگی خوشخبری تھی کہ ایک مسلح

تصادم کے بعد وہ دن دُور نہیں ہے جبکہ اللہ کا دین سرزمین عرب پر غالب آجائے گا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازے گا۔ اس دوسرے پارے کی ایک اور بھی آیت ایسی ہے جس کا اجمالی ذکر بہت مفید ہوگا وہ ہے آیت نمبر ۱۷۷ جس میں اسلام کی جملہ تعلیمات کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ نیکی کا صرف ظاہر سے تعلق نہیں ہے اعمال کا ظاہر اور ہے اس کی رُوح اس کی حقیقی باطنی جذبہ محرکہ کے اعتبار سے نیکی کا تعین ہوگا۔ یعنی جو انسان کے تصحیح عقائد سے شروع ہوتی ہے ایمان اس کا نقطۂ آغاز ہے اور اس نیکی کا انسانی عمل اور کردار میں مظہر اوّل انسانی ہمدردی کا مادّہ ہے اور پھر معاملات انسانی میں ایفائے عہد اور پھر صبر صداقت کے لئے۔ سچائی کے لئے، حق کے لئے۔ خیر کے لئے۔ اللہ کے دین کیلئے۔ جہاد کیلئے صبر و قناعت، ہر نوع کی تکالیف کو برداشت کرنا۔ یہ تمام اوصاف اگر انسانی سیرت اور کردار میں جمع ہوجائیں تب وہ شخص حقیقتاً نیک اور متقی کہلانے کا مستحق ہے۔

تیسرا پارہ

تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م۔

السّلام علیکم۔ قرآن حکیم کا تیسرا پارہ "تِلْكَ الرُّسُلُ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں پہلے سورۂ بقرہ کی آخری چونتیس آیات شامل ہیں جو تقریباً سات رکوع میں منقسم ہیں اور اس کے بعد سورۂ آلِ عمران کی اکانوے ۹۱ آیات شامل ہیں۔ جو نو ۹ رکوع میں منقسم ہیں۔ سورہ بقرہ کی جو آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں بالکل آغاز ہی میں وہ آیتِ مبارکہ بھی ہے۔ جسے متعدد روایات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے یعنی آیتُ

الکرسی ۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (الیٰ آخر الآیہ) اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور پوری کائنات کو وہی تھامے ہوئے ہے اس کا علم بھی کامل ہے اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ یہ آیت مبارکہ بالخصوص توحید کی صفات کے بیان میں نہایت جامع اور بہت ہی عظمت کی حامل ہے۔ اس میں شفاعت باطلہ کی بھی نفی کی گئی ہے ۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کون شفاعت کرنے والا ہے جو اللہ کے ہاں شفاعت کر سکے مگر اس کی اجازت سے یہ شفاعت حقہ ہے جو اللہ کی اجازت سے ہوتی ہے اور نبیؐ فرمائیں گے اپنی اُمت کے حق میں اور بھی اولیاء اللہ کے پسندیدہ بندوں کو بھی اللہ تعالےٰ اجازت دے گا وہ شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن یہ کہ بغیر اللہ کی مرضی کے وہاں کسی کو بھی بولنے کا یارا نہ ہوگا۔ اس کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر ہے۔ ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات میں سے وہ واقعہ جو شہنشاہ وقت کے دربار میں پیش آیا جبکہ انہوں نے بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری جرأت مردانہ کے ساتھ ایمان باللہ کا اعلان کیا اور توحید کا غلغلہ بلند کیا اور وہ واقعہ بھی کہ جس میں خود انہوں نے اللہ تعالےٰ سے اپنے ایمان اور یقین میں اضافہ کے لئے درخواست کی کہ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی پروردگار مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے اس کے بعد سورہ بقرہ کے دو رکوع "انفاق" فی سبیل اللہ کی ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہیں ۔یعنی اللہ کے دین کے لئے جہاں جسمانی محنت و مشقت کی ضرورت ہے وہاں مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت ہے لہذا مال خرچ کرو۔ بھلائی کے دوسرے کاموں میں بھی غرباء کے لئے بھی مساکین کے لئے بھی لیکن اس کی جو بہت بہتر اور برتر صورت ہے وہ یہ کہ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے اللہ کے دین کے غلبے کے لئے اللہ کی راہ میں مال صرف کیا جائے اور یہ مال پورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ صرف کیا جائے ۔ اس میں ریاکاری کا کوئی پہلو شامل نہ ہونے پائے اس میں جو بہتر اور انسان کو محبوب تر ہے وہ

خرچ کیا جائے تو دو رکوعوں میں بڑی جامعیت کیساتھ انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کا حکم مسلسل دیا گیا۔ دین کے لئے جہاد کا حکم قرآن پاک میں جہاں بھی آیا وہاں اسکے دونوں پہلو بیان ہوئے۔ جہاں جان سے جہاد مطلوب ہے یعنی انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو صرف کرے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اگر وقت آئے یا ضرورت درپیش ہو تو اس کا نذرانہ بھی بارگاہِ الہٰی میں پیش کردے تو وہاں مال کا خرچ کرنا بھی دین کے غلبے کے لئے اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک حکم میں انفاق فی سبیل اللہ کے جو بالکل برعکس صفت ہے۔ یعنی انسان کے دلوں میں مال کی محبت اس درجے پیدا ہو جائے اور سود کے ذریعے سے انتہائی بے رحمی کے ساتھ انسان غریبوں کا خون چوس کر اپنی دولت میں اضافہ کرے اس کی انتہائی شدت کے ساتھ مذمت ہوئی واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن جن چیزوں سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے ان میں جس شدت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ شدتِ کسی اور حکم میں ہمیں نظر نہیں آتی اس لئے کہ فرمایا گیا۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ "اگر تم اس سے باز نہ آؤ تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ" اُن کے ساتھ اللہ کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔ اس کے بعد ایک رکوع میں معاملات انسانی کی درستی کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قرض کے لین دین کا معاملہ ہو وہ ضرور لکھ لیا کرو اس میں معاملات کے درست ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اس کے ضمن میں شہادت کا قانون بھی بیان ہو گیا اور اس کے بعد سورہ بقرہ کا آخری رکوع وارد ہوتا ہے۔ جو انتہائی جامع ہے۔ جس میں فرمایا گیا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ گویا کہ ایمانیات کا بڑی جامعیت کے ساتھ یہاں ذکر ہو گیا اور آخر میں ایک عظیم دُعا پر یہ سورہ مبارکہ ختم ہوئی ہے کہ "اے رب ہمارے! ہمارا مواخذہ نہ کیجو اور خطاؤں پر جو ہم سے بھول چوک میں

سرزد ہو جائیں اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالیو جو تو ہم سے پہلی قوموں پر ڈالتا رہا ہے اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیو جس کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائیو اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دیجیو ہماری بخشش اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کیجیو۔" یہ آخری لفظ گویا کہ تمہید بن گیا کہ اب کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال بالسیف کا دور شروع ہونے والا ہے۔

اس سورہ مبارکہ کے بعد قرآن کریم میں سورۂ آلِ عمران آتی ہے۔ یہ سورۃ ہر اعتبار سے سورہ بقرہ ہی کا جوڑا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی نام سے موسوم کیا "زُھْرَاوَیْن" یعنی انتہائی روشن سورتیں۔ اس سورہ مبارکہ کا آغاز بھی قرآن مجید کی عظمت، کلامِ الٰہی کی برکت اور بالخصوص اس حقیقت کی طرف توجہ منعطف کرانے سے ہوا کہ قرآن کریم میں کچھ آیات محکمات ہیں اور کچھ متشابہ کچھ تو وہ ہیں کہ جن کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ جن میں قطعاً کسی ابہام کا شائبہ موجود نہیں اور بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی اور صحیح مفہوم کے تعین میں کچھ اشتباہ پیش آسکتا ہے تو جو اہلِ حق ہیں طالبِ ہدایت ہیں وہ آیات محکمات ہی کا تتبع کرتے ہیں۔ ان کی پیروی کرتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں کوئی کھوٹ ہے جو درحقیقت طالبِ ہدایت نہیں طالب ضلالت ہیں، وہ آیات متشبہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے مفہوم کے تعین کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انہی تمہیدی آیات کے بعد جو گفتگو ہے وہ بیشتر نصاریٰ کے ساتھ ہوئی عیسائیوں کے ساتھ ہوئی یعنی سورہ بقرہ میں اہلِ کتاب کو خطاب کیا گیا ہے۔ یہود کو یہاں سب سے زیادہ جو بات وضاحت کے ساتھ فرمائی گئی وہ الوہیتِ مسیح کے عقیدے کی نفی ہے۔ حضرت مریم کا تذکرہ کیا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا کہ حضرت ذکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بانجھ تھیں اور بہت ضعیف ہو چکی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بڑھاپے میں اور بیوی کے

بانجھ ہونے کے باوجود حضرت ذکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ اس طریقے سے اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے ہاں بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اپنے حکم سے کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اُن کا الوہیت میں کوئی دخل ہے اگر حضرت ذکریا علیہ السلام کے ہاں خرق عادت کے طور پر حضرت یحییٰؑ کی ولادت سے حضرت یحییٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں بنایا گیا تو اگر بن باپ کے بیٹے کی پیدائش حضرت مریمؑ کے ہاں ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید کیوں سمجھا جائے اور یہ لازم کیوں سمجھ لیا جائے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک ان کے اس عقیدے کی اس پُر زور نفی کے بعد کچھ گفتگو اہلِ کتاب سے بحیثیت مجموعی ہوئی جس پر یہ پارہ ختم ہوا۔

چوتھا پارہ

لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ہ

قرآن مجید کا چوتھا پارہ "لن تنالوا" کے نام سے موسوم ہے اس کا اکثر و بیشتر حصہ سورہ آلِ عمران پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۹۲ سے آیت نمبر ۲۰۰ تک جو گیارہ رکوع میں منقسم ہے۔ آخر میں ـــــ ۲۳ آیات سورۃ النساء کی اس میں شامل ہیں۔ سورۃ آلِ عمران کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس میں ابتدا میں وہی خطاب جاری ہے۔ جو پچھلے پارے میں اہلِ کتاب سے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ جس طرح سورہ بقرہ کے نصف ثانی میں تمام گفتگو اُمت مسلمہ سے تھی۔ اسی طرح سورۃ آلِ عمران میں بھی اُمت مسلمہ ہی سے خطاب ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ

آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص - اے اہلِ ایمان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیساکہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے - اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو - اور آپس میں تفرقہ میں مت پڑو - یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی رسّی سے کیا مراد ہے تو چونکہ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرضِ منصبی ہے لہذا حضور نے وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ ایک طویل روایت جو حضرت علی رضؓ سے منسوب ہے اس میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا - اس میں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن ہی اللہ تعالےٰ کی مضبوط رسی ہے - گویا اس کو مضبوطی سے تھامنا اللہ کے دامن سے وابستہ ہوجانے کے مترادف ہے - اس کے بعد اس سُورہ مبارکہ میں سب سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ غزوہ احد کے حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے - اگرچہ نبیؐ اکرمؐ کی حیاتِ طیّبہ میں کفار کے ساتھ پہلا تصادم میدانِ بدر میں ہوا - لیکن قرآن مجید میں اس کا ذکر سُورہ انفال میں ہے جو ترتیب مصحف کے اعتبار سے بہت بعد میں آتی ہے۔ ترتیب مصحف میں سب سے پہلے جس جنگ کا ذکر ملتا ہے وہ غزوۂ احد ہے - یہ سن تین ہجری ۳ھ میں پیش آیا - اور اس میں غزوہ بدر کے بالکل برعکس مسلمانوں کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا - مسلمانوں میں سے ستّر صحابہ کرامؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا - خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بھی چہرۂ مبارک پر زخم آیا اور آپ کا پورا چہرۂ مبارک لہولہان ہوگیا گویا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں مختلف اعتبارات سے صدمات سے دوچار ہونا پڑا - تو اس لئے فطری طور پر قرآن مجید میں اس کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا گیا - مسلمانوں کو اُن کی کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا - چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے اپنی مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا - جبکہ تم آغازِ جنگ میں کفار کو قتل کر رہے تھے اور گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے - لیکن پھر تم نے کمزوری دکھائی تم نے اپنے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کی خلاف ورزی کی - اس جگہ پر کہ جہاں پر
پچاس تیر اندازوں کو متعین کیا گیا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ یہاں سے ہرگز نہ
ہلنا یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی دیکھو کہ سب اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے اور ہمارے
جسم پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اس جگہ سے نہ ہلنا - لیکن ایک
غلط فہمی کی بنیاد پر اُن لوگوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی - نتیجتاً اللہ کی طرف سے
مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں پر متنبہ کرنے کے لئے ان کا ذکر خود اس سورۂ مبارکہ
میں فرمایا: وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" ہم اِن دنوں کو
لوگوں کے مابین کچھ الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں - اونچ نیچ دکھاتے رہتے
ہیں - تاکہ لوگوں کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جائے - یہ بھی فرمایا گیا کہ مسلمانو!
اس عارضی شکست سے یا یہ چرکہ جو تمہیں لگا ہے اس سے بد دل نہ ہونا - کفار
کو دیکھو - مشرکین کو دیکھو کہ ایک سال قبل بدر کے میدان میں وہ ستر لاشیں
چھوڑ گئے تھے - اور انہیں بڑا زخم لگا تھا - اس کے باوجود وہ اپنے دینِ باطل اور
معبودانِ باطلہ کے لئے ایک نئی تیاری کے ساتھ دوبارہ تم پر حملہ آور ہوئے -
اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ط اگر تمہیں
کوئی چرکا لگا ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے - لہذا تمہیں
بھی بد دل نہیں ہونا چاہیئے - اپنی صفوں کا جائزہ لو جس پہلو سے کمزوری نظر آئے
اُسے دُور کرو آئندہ کٹھن تر مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے - اس سُورۂ مبارکہ
کا جیسا کہ میں نے ذکر کیا یہ جزو ثانی اکثر و بیشتر غزوۂ اُحد کے حالات پر تبصرے
اور مسلمانوں کی ہدایت پر مشتمل ہے - فرمایا گیا کہ ہم نے تو پہلے ہی تمہیں خبردار کر
دیا تھا کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے اور مشکلات میں اور آزمائشوں میں مبتلا
کرکے یہ دیکھیں گے - کہ کون ہیں حقیقتاً اللہ کو ماننے والے - کون ہیں واقعتاً
آخرت کے جاننے والے - کون ہیں جو اللہ کے لئے اس کے دین کے لئے اپنا
تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں - اگر یہ آزمائشیں نہ آئیں

تو کھوٹے اور کھرے میں تمیز کیسے ہو۔ کس طرح معلوم ہو کہ کون مومن صادق ہے اور کون منافق۔ کون واقعی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا عاشق ہے۔ اور کون صرف جھوٹ موٹ کا مدعیٔ ایمان ہے اس موضوع پر واقعہ یہ ہے کہ سورۃ آلِ عمران کی آیات بڑی جامع ہیں۔ حکمتِ قرآنی کے ایک بہت اعلیٰ اور عظیم خزانے کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ اس سورہ مبارکہ کا آخری رکوع سورہ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ اس میں ایک طرف آغاز میں جو مومنین صادقین بلکہ صحیح الفاظ میں صدیقین کے ایمان کے بارے میں ذکر ہے۔ وہ سلیم الفطرت لوگ اور وہ صحیح العقل لوگ جو اس کائنات کے مشاہدے سے آفاق میں پھیلی ہوئی بے شمار آیات خداوندی کے مشاہدے سے اللہ کو پہچانتے ہیں۔ اور پھر اس حقیقت کو بھی پہچانتے ہیں کہ انسانی زندگی بیکار و عبث نہیں ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ اے ہمارے ربّ تو نے یہ سب کچھ بیکار و عبث پیدا نہیں کیا۔ لہذا انسانی اعمال بھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکوکاری کا صلہ نہ ملے اور بُروں کو ان کی بدکاری کی سزا نہ ملے۔ تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ذکر کے بعد اس قسم کے سلیم الفطرت اور صحیح العقل لوگوں کا ذکر ہے جو توحید اور آخرت تک از خود رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ عقلِ سلیم کی رہنمائی میں جب ان کے کانوں میں کسی نبی کی دعوت پڑتی ہے جو انہی باتوں کی طرف دعوت دے رہا ہوتا ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں۔ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا۔ اور پھر اس کے بعد ایک بڑی جامع دعا ہے کہ اے ربّ ہمارے ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما۔ جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے کیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے فوراً ہی ان کی دعا کی قبولیت کا اعلان بھی فرمایا فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ۔ ان کی دعا

قبول فرمائی ان کے رب نے ۔ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج "کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں ۔خواہ وہ عمل کرنے والا مرد یا عورت"۔ فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا۔ "پس وہ لوگ کہ جنہوں نے ہجرت کی جو اپنے گھروں سے نکالے گئے ، جنہیں میری راہ میں تکلیفیں جھیلنی پڑیں ، جنہوں نے میرے لئے میرے دین کے لئے قتال کیا ، جنہوں نے اپنی جانیں تک نثار کر دیں ، اُن سے تو میرا پختہ وعدہ ہے کہ میں ان کی تمام خطاؤں سے درگزر کروں گا اور انہیں لازماً ان باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی ۔ ——— یہ صرف اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انسانی خدمات کا بدلہ صرف اللہ ہی دے سکتا ہے ، اس سورہ مبارکہ کے بعد تئیس ۲۳ آیات سورہ النساء کی شامل ہیں جن میں ابتداً کچھ احکامات دیئے گئے ہیں یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں انتہائی تاکید کے ساتھ ۔ان کے مال کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھو اور جیسے ہی وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنے مال کو خود سے سنبھال سکیں تو وہ ان کے حوالے کر دو اور اس میں کسی خیانت سے کام نہ لو اور اس کے بعد خواتین سے متعلق شادی بیاہ اور نکاح و طلاق کے متعلق کچھ احکام آئے ۔ درمیان میں وراثت کا مکمل ضابطہ ایک ہی رکوع میں بیان کر دیا گیا - یہ آیات شریعتِ اسلامی کا انتہائی اہم جزو ہیں ۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

بخاریؒ و مسلمؒ ——— عن عثمانؓ ابن عفانؓ

خطوط و آرا

خطاب بہ صدر مملکت کے متعلق

(۱) مکرمی و محترمی
ڈاکٹر صاحب، دام اقبالکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، - تازہ میثاق میں آپ کا وہ خطاب پڑھ کر آپ کی جرأت مومنانہ پر دل سے دُعا نکلی جو آپ نے خطبہ جمعہ کے دوران محترم صدر مملکت کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ان سے کیا تھا - آج اسی بات کی ضرورت ہے کہ حق بات کسی مداہنت اور خوفِ لومت لائم کے بغیر دل سوزی اور ناصحانہ انداز میں کہی جائے - آپنے عورتوں کی ہاکی ٹیم بنانے، اور ستر و حجاب کے احکام کا لحاظ رکھنے نیز کرکٹ کے کھیل میں قومی سطح پر قوم کے وقت اور مال کے زیاں کے سلسلے میں بہت ہی درد مندی کے ساتھ محترم صدر مملکت کو متوجہ کیا ہے - جزاک اللہ - کرکٹ کے ضمن میں ایک ضروری اور اہم بات اور ایک بڑی بُرائی کی طرف شاید اس وقت آپ کا ذہن منتقل نہیں ہوا - حالانکہ دینی لحاظ سے یہ بات سب سے زیادہ قابلِ نکیر ہے، - وہ یہ کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے ٹیسٹ اور دوسرے میچوں میں اہتمام کے ساتھ جمعہ کا دن شامل کیا جاتا ہے - اس وجہ سے کہ اس روز تعطیل ہوتی ہے اور معمول سے زیادہ شائقین کی شرکت کی توقع ہوتی ہے - جس سے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے - تعجب ہے کہ ایک اسلامی ملک میں جمعہ کی فضیلت کو اس بے دردی کے ساتھ نظر انداز کیا جاتا ہے - اسٹیڈیم میں موجود ہزاروں تماشائیوں کی نمازِ جمعہ فوت ہوتی ہے - جس کی ادائیگی صرف باجماعت ہی ہو سکتی ہے - پھر ان لاکھوں لوگوں کی بھی نماز جمعہ ضائع ہوتی ہے جو ریڈیو یا ٹی - وی کھولے بیٹھے ہوتے ہیں - جمعہ کو لنچ کا وقفہ بھی ساڑھے بارہ بجے سے ایک بجکر دس منٹ تک ہوتا ہے، اس دوران ملک بھر میں کہیں جمعہ کی نماز سے فراغت نہیں ہوتی - کتنے دکھ کی بات ہے کہ جمعہ کے مبارک دن اور خاص طور پر جمعہ کی نماز کو لہو و لعب کی نذر کر کے ضائع کر دیا جاتا ہے عیسائی مقابلۃً مسلمانوں سے بھی زیادہ اپنے مذہب سے دور ہیں اور اتوار کے دن گرجوں میں گنتی ہی کے لوگ جاتے ہیں - لیکن چونکہ عیسائیوں کے نزدیک اتوار متبرک

دن ہے لہذا برطانیہ وغیرہ میں اتوار کے دن کرکٹ کا کھیل نہیں ہوتا ۔ ابھی حال ہی میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے ۲۵ ؍ دسمبر کو کھیل سے معذرت کر لی تھی اس عذر کی بنا پر کہ وہ کرسمس کا دن تھا ۔ کاش اسی سے ہمارے ارباب حل و عقد عبرت و سبق حاصل کرتے ! کیا کرکٹ کے ناخدا اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دیں گے ؟ اور کیا محترم صدرِ مملکت اس خرابی کو ختم کرانے کی اہمیت محسوس فرمائیں گے ؟ ۔ والسلام نیاز کیش

سیف الرحمٰن صادق ۔ دھلی کالونی ۔ کراچی

(۲) محترم جناب **ڈاکٹر اسرار احمد** صاحب سلام مسنون

میں جب بھی کاروباری سلسلہ میں لاہور جاتا ہوں ، میری کوشش ہوتی ہے کہ جمعہ دارالسلام کی مسجد میں آپ کے پیچھے ادا کروں چونکہ آپ خطباتِ جمعہ میں قرآن کے ذریعے تذکیر کا عمل کرتے ہیں جو ہمارے پیارے رسول کی سنت ہے ۔ ۲۸ ۔ نومبر کے جمعہ میں بھی میں شریک تھا ۔ جس میں آپ سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی روشنی میں مقام صحابہؓ پر روشنی ڈال رہے تھے ۔ جناب صدرِ پاکستان جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپنے خطبہ میں ان کو مخاطب کر کے جن باتوں کی طرف ان کی توجہ کو منعطف کرانے کی کوشش کی وہ باتیں بظاہر چھوٹی ہیں لیکن واقعی ان کا گہرا تعلق ہماری اجتماعی فکر سے ہے ۔ آپنے کرکٹ جیسے فضول کھیل ، عورتوں کی ہاکی ٹیم بنانے اور عائلی قوانین کی پاسداری کرنے کے سلسلے میں بہت ہی مؤثر انداز میں صدر صاحب کو متوجہ کر کے حق نصیحت ادا کیا ہے ۔ خدا کرے کہ آپ کی سچی باتیں صدر صاحب کے دل میں گھر کر جائیں اور وہ اس ضمن میں کوئی عملی قدم اٹھائیں ۔ بہر حال آپنے حقِ نصیحت ادا کر دیا اور لاکھوں مسلمانوں کی جذبات کی ترجمانی براہ راست اور بالمشافہ صدر صاحب کے سامنے کر دی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو دین کی خدمت قرآن کی تبلیغ اور حق بات کہنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے آمین ۔

مخلص : سردار بخش خان ۔ کیمبل پور

(۳) عالی مقام محترم ڈاکٹر صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم ۔ کافی انتظار کے بعد میثاق کا نومبر و دسمبر کا مشترکہ شمارہ ملا ۔ پہلی فرصت میں میں نے سب پڑھ ڈالا ۔ تاخیر سے جو کوفت ہوئی تھی وہ پرچے کے مضامین

پڑھ کر دور ہو گئی - خاص طور پر آپ کا خطاب بہ صدرِ مملکت پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی - اور آپ کے لئے بے اختیار دل سے دعائیں نکلیں - آپ کے یہ جملے تو خیر خواہی اور درد مندی سے مملو تھے جو آپ نے جناب صدر کو خطاب کر کے کہے تھے کہ "آپ سوچیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپ کے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی ٹیم تیار ہو رہی ہے" اور یہ کہ "حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں - اُمّہات المومنینؓ کے لئے سورہ احزاب میں جو احکام آئے ہیں، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں" اور پھر عائلی قوانین کے متعلق آپ کی یہ بات کہ "خدا کے لئے سوچیے کہ جو قوانین بالاتفاق شریعت سے متصادم ہیں وہ کیوں نافذ رہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی بڑا کام لے اور آپ اس ملک میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں - ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں - اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے - بدقسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے - ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو لہٰذا میری مخلصانہ اپیل ہے - کہ جو مواقع آپ کو حاصل ہیں ان کو غنیمت سمجھا جائے"

میری بارگاہ خداوندی میں دعا ہے کہ حق بات کہنے پر آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور جناب صدر کے دل کو اِن باتوں کا اثر لینے کے لئے کھول دے اور ان کو صحیح اقدامات کی توفیق عطا فرمائے - آمین خاکسار محمد نجیب اللہ حیدر آباد

(۴) محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم - آپ نے صدر مملکت کی موجودگی میں جس جذبہ سے کرکٹ کی کھیل اور عورتوں کی ہاکی ٹیم کے امور کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی - آپ کی اس جرأت مندانہ تقریر کے متعلق نمازیوں کے حوصلہ اور ایمان افروز اور تحسین کے ریمارک سننے میں آئے -

اب جبکہ بنکوں میں بلاسود کھاتہ کھولنے کا سلسلہ یکم جنوری سے شروع کیا گیا ہے - ہم حکومت سے پر زور اپیل کرتے ہیں اس نظام کے ساتھ بنک میں تمام کھاتے جو بیشتر ازیں کھولے گئے ہیں انہیں بھی بلاسود کھاتے تصور کئے جائیں - اور پہلے تمام سود جو

قرض خواہوں کے ذمہ ہیں معاف کر دیئے جائیں۔ کیونکہ حضورؐ نے کئی بار ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا لین دین قطعی حرام ہے حتیٰ کہ سود کے لین دین ۔ تحریر کرنے گواہی دینے والا بھی گناہ گار ہے ۔

اُمید ہے آپ اس ضمن میں حکومت سے اپیل فرما کر مشکور فرمائیں گے ۔

فقط والسلام ، ملک سعید احمد ، فتح شیر روڈ ۔ لاہور

(۵) محترم جناب ڈاکٹر صاحب سلام مسنون

جزاک اللہ ، آپ نے حق نصیحت ادا کر دیا اور جمعہ کے خطبہ میں جناب جنرل محمد ضیاء الحق کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی چھوٹی لیکن بڑی اہم باتیں ان کے گوش گزار کر دیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس وقت کم تھا ۔ اسی لئے شاید چند دوسری ضروری باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں ۔ ایک تو یہ کہ کرکٹ جیسے طویل اور فضول کھیل میں قومی وقت اور قومی سرمایہ ہی کا زیاں نہیں ہوتا بلکہ نماز جمعہ جیسی عظیم عبادت کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے چونکہ عموماً جمعہ کا دن بھی کھیل میں شامل کیا جاتا ہے ۔ دوسری یہ کہ ولیمہ کی دعوت پہلے جا پابندی لگائی ہوئی ہے حالانکہ اس دعوت کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے ۔ دعوتِ ولیمہ مسنونہ کے لئے صرف پچاس افراد کی تعداد مقرر کرنا کسی طرح انسب نہیں ۔ انتہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد تو صرف بہت قریبی رشتہ داروں کی ہو جاتی ہے ۔ حلقہ احباب اور اہل خاندان تو اس تعداد میں آ ہی نہیں سکتے ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ اس ناروا پابندی سے بچنے کے لئے ولیمہ کی دعوت دوسرے ناموں سے کرتے ہیں ۔ کوئی سال گرہ کے نام سے ، کوئی عقیقہ ، بسم اللہ ، ختم قرآن اور نہ معلوم کس کس نام سے ۔ اس طرح لوگ صحیح کام غلط طریقوں سے انجام دینے پر خود کو مجبور پاتے ہیں ۔ جو اصلاح معاشرہ میں ممد ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس میں دھوکہ اور غلط بیانی شامل ہوتی ہے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے صحیح نہیں ۔ ایسی پابندیاں جو نامناسب اور ناروا ہوں اور جن پر لوگ کاربند نہ ہو سکیں لگانا حکمت کے خلاف ہے ۔ لہذا صدر مملکت سے گذارش کرنی چاہیئے کہ اگر کرکٹ کا کھیل جاری ہی رکھنا ہو تو خدا کے لئے جمعہ کے دن کھیل نہ رکھا جائے اور اگر ولیمہ کو محدود رکھنا ہو تو

اس کی تعداد پچاس سے بڑھا کر ڈھائی سو افراد تک کر دی جائے تاکہ اس دعوتِ مسنونہ کے لئے لوگ حیلے بہانوں سے محفوظ رہ سکیں امید ہے کہ آپ میری گذارشات پر غور فرمائیں گے اور اس بارے میں بھی جناب صدر کو متوجہ کرائیں گے - اگر مناسب خیال فرمائیں تو میرا یہ مکتوب ہی میثاق میں شائع فرمادیں - شکریہ -

نیازمند ، منصور انور محمد بن قاسم روڈ - کراچی -

(۶) اسلامی معیشت کے متعلق

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

سلام و رحمت - مزاج گرامی - میثاق کے تازہ شمارہ میں اسلامی نظام معیشت کے بارے میں آپنے جو نکات پیش کئے ہیں، انہیں پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی - راقم تو پندرہ بیس سال سے اس جہاد میں مشغول تھا - الحمد اللہ کہ اہل علم نے اس طرف بھی توجہ دی ہے - مزارعت کے نکات میں آپنے جس صحابی رافع کا ذکر کیا ہے - ان کی ولدیت رافع بن خدیجہ ہے - خبیب نہیں -

بڑے دُکھ کی بات ہے - کہ ہمارے ہاں ابھی تک اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں کوئی ذہن بھی واضح نہیں ہے - اب تک جتنی تجاویز پیش کی گئی ہیں ان میں زکواۃ اور پورے ٹیکسوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا جاتا ہے - یہ تو سیکولر طرز فکر ہے - اسلام میں علمائے امت اور فقہائے امت کا اس بارے میں اجماع ہے - کہ زکواۃ کے نظام کے ساتھ کوئی ٹیکس جاری نہیں رہ سکتا - اس سلسلے میں راقم کے پاکستان ٹائمز میں کوئی نصف درجن مضامین شائع ہوچکے ہیں - نوائے وقت میں بھی ان مضامین کا خلاصہ ایک مضمونچے کی شکل میں شائع کرایا تھا - جس کی فوٹوسٹیٹ کاپی ارسال خدمت ہے - اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے اپنے موقر ماہنامے میں شائع بھی کرسکتے ہیں - والسلام

دُعاگو - رفیع اللہ - اتحاد کالونی - اچھرہ لاہور

نوٹ : مضمون موصولہ زیر نظر شمارے میں شائع کیا جارہا ہے (مرتب)

الحمد للہ کہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی دو اہم تصانیف جنکا شدت سے انتظار تھا طبع ہو گئی ہیں!

(۱)

اسلامی ریاست

مشتمل بر

- چند بنیادی مباحث
- شہریت کے حقوق و فرائض
- غیر مسلموں کے حقوق
- اطاعت کے شرائط اور حدود
- کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف

۱۸ × ۲۲/۸ کے ۲۷۶ صفحات اعلیٰ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت

مجلد مع ڈسٹ کور : قیمت -/۲۰

(۲)

پاکستانی عورت

دوراہے پر

صفحات ۱۸۴ : قیمت -/۱۰

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور (فون: ۳۵۲۲۱۱)

مولانا امین احسن اصلاحی

کی دومایہ ناز تصانیف جو کچھ عرصہ سے دستیاب نہ تھیں دوبارہ طبع ہو گئی ہیں

(1)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

مبادیٔ تدبرِ قرآن

★ صفحات ۲۰۰ ★ مجلد مع گردپوش ★ قیمت فی نسخہ -/۱۶

(2)

حقیقتِ دین

مشتمل بر

حقیقت شرک ★ حقیقت توحید

حقیقت تقویٰ ★ حقیقت نماز

★ صفحات ۳۲۴ ★ مجلد مع گردپوش ★ قیمت فی نسخہ -/۲۴

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور

Regd. L. No. 7360

Monthly **MEESAQ** Lahore

Vol. 30 | Jan. Feb. 1981 | No, 1 - 2

احباب کے اصرار پر

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر موسس مرکزی انجمن خدام القران لاہور اور

امیر تنظیم اسلامی

کے مسلسل درس قرآن کو بالکل ابتدا سے C 60 کے کیسٹوں میں ریکارڈ کیا جا رہا ہے مزید براں

ڈاکٹر صاحب موصوف کے

متعدد دروس قرآن اور خطابات

کے کیسٹ کے سیٹ دستیاب ہیں - ان کیسٹوں کی قیمت لاگت کے لگ بھگ رکھی گئی ہے

مفصل اعلان اندرونی صفحات پر ملاخطہ فرمائیے

المعلن : ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
فون 852611